سیاستِ الٰہیہ

امام ابنِ تیمیہؒ

ادارہ فروغِ اردو لاہور

سیاستِ الٰهیه

سیاستِ الٰہیہ

امام ابن تیمیہ

مترجم :- ابوالقاسم رفیق دلاوری

ادارہ فروغِ اردو لاہور

حالی پبلشنگ ہاوس - دہلی
HALI PUBLISHING HOUSE
DELHI

بار اول

قیمت عہ؍

ناشر
محمد طفیل مالک ادارۂ فروغِ اردو
لاہور

مطبوعہ
تعلیمی پریس بیرون اکبری دروازہ
لاہور

ہر اُس شخص کے نام جو

کلمۂ توحید

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

پر

ایمان رکھتا ہے

عرضِ ناشر

جہاں اِس ادارہ نے ناول اور افسانوں کی متعدد معیاری کتابیں شائع کرکے اصحابِ ذوق کے سامنے پیش کی ہیں۔ وہاں وُہ یہ فخر بھی حاصل کر رہا ہے کہ قارئین کے سامنے "سیاستِ الٰہیہ" جیسی ٹھوس مذہبی کتاب پیش کرے۔ مقامِ مسرت ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ عام نظریں مذہبی، علمی اور ادبی چیزیں ڈھونڈھ رہی ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اُن کے سامنے ایسی کتابیں پیش کی جائیں جو کہ اُن کے حال اور مستقبل کو سنواریں۔

امام ابنِ تیمیہؒ کا اسم گرامی اُن معدودے چند سیاسی علماء میں شمار ہوتا ہے۔ جن کی دیانت ادراک اسلامی وسیاسی مسائل کی راہ میں کہیں ٹھوکر نہ کھا سکی۔ زیرِ نظر کتاب آپ کی کمال سعی دکاوش اور حددرجہ اسلام فہمی کا نتیجہ ہے۔ سیاسیاتِ الٰہی اور آیاتِ نبوی پر مشتمل امور جن کا براہ راست راعی اور رعایا کے ساتھ تعلق ہو سکتا ہے۔ اس کتاب میں تسلی بخش مواد کے ساتھ موجود ہیں۔

ترجمہ میں مصنّف کی طرزِ نگارش اور اسلوبِ تحریر کچھ اس طرح قائم ہے جیسے علّامہ موصوف خود منبر پر کھڑے علم وفضیلت کے دریا بہا رہے ہیں۔

ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

ہر قسم کی حمد و ستائش کا مستحق وُہ خدائے ذوالجلال ہے، جس نے اپنے رسولوں کو کُھلے کُھلے معجزے دے کر بھیجا اور ان کے توسط سے کتابیں نازل کیں، تاکہ لوگ دینی اور دنیاوی دونوں طرح کے معاملات میں جادۂ انصاف پر قائم رہیں۔ اور لوہا پیدا کیا کہ ہتھیاروں کے کام آئے۔ تو جہاں لوہے میں بڑا خطرہ ہے، وہاں اس میں لوگوں کیلئے بہتیری منفعتیں بھی ہیں۔ اِس خطرناک لوہے کے پیدا کرنے سے ایک غرض یہ بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ اُن لوگوں کو معیارِ امتحان پر پرکھے، جو اپنے خالق و رزاق کو دیکھے بغیر اُس معبودِ برحق اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ربِ قدیر نے رسولوں کی بعثت کا سلسلہ اپنے نبی آخرالزمان صلعم کی آمد

پر ختم کر دیا۔ آپ راہِ ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ اس غرض سے معمورۂ عالم میں تشریف لائے کہ آپ کے ذریعہ سے دینِ اسلام تمام ادیان و ملل پر غالب ہو۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت و محبت کے لئے علم و قلم کی جامعیت عطا فرمائی گئی۔ اسی طرح آپ نصرت و تمکین کے لئے قدرت و تلوار کے بھی حامل تھے۔ واشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم تسلیما۔

والیانِ حکومت کی عون و نصرت کا حکمِ خداوندی

امابعد! یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو سیاستِ الٰہی اور آیاتِ نبوی پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں ایسے امور ہیں کہ راعی اور رعایا دونوں طبقے جن کے حاجت مند ہیں۔ علاوہ بریں حکّام وقت کی خیر خواہی بھی اس کی مقتضی ہوئی کہ اس موضوع پر ایک کارآمد تالیف مدوّن کی جائے کیونکہ ہمارے مذہبی فرائض میں یہ فریضۂ الٰہی بھی داخل ہے کہ ہم والیانِ حکومت کے حامی و ناصر رہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ربّ السمٰوات والارض" تمہاری تین باتوں سے خوش ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اُس ذاتِ برتر کی عبادت کرو اور اُس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک و سہیم نہ بناؤ۔ دوسری سب مل کر دینی سلسلۂ اتحاد و وحدت کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ اور ایک دوسرے سے الگ اور متفرق نہ ہو۔ تیسری اپنے اُن والیانِ حکومت کے خیر خواہ رہو جو تم پر حکمران ہوں۔

آیت اُمرائے[1] اسلام

یہ رسالہ کتاب اللہ کی اُس آیت پر مبنی ہے جو "آیت الامراء" کے نام سے مشہور

---

[1] اُردو زبان میں لفظ "امیر" کا اطلاق متموّل اور مالدار آدمی پر ہوتا ہے لیکن عربی زبان میں "امیر" صاحبِ امر یعنی والیٔ حکومت اور بادشاہ کو کہتے ہیں پس اس کتاب میں جہاں کہیں یہ لفظ آئیگا "اُس سے حاکم و فرمانروا ہی مراد ہوگا"
مترجم

ہے۔ آیت الامرا یہ ہے :۔

(ترجمہ) مسلمانو! اللہ تعالےٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت رکھنے والے جب بھی خواہش کریں تو ان کی امانتیں اُن کے حوالے کر دیا کرو۔ اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اللہ تم کو جو نصیحت کرتا ہے وُہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالےٰ سب کی سنتا اور سب کچھ دیکھتا ہے۔ (۴ : ۵۸)

اس سے اگلی آیت یہ ہے :۔

(ترجمہ) اے مومنو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں صاحب حکومت ہیں، اُن کا حکم مانو۔ پھر اگر کسی مسئلہ پر حاکم وقت سے تمہاری نزاع ہو جائے تو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے کی یہ شرط ہے کہ اس منازعت میں اللہ اور اُس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی یہی طریقہ مقبول و پسندیدہ ہے (۴ : ۵۹)

علماء نے فرمایا ہے کہ پہلی آیت والیانِ حکومت سے متعلق ہے جو اس بات کے مامور ہیں کہ لوگوں کی امانتیں اُن کے حوالے کریں اور جب لوگوں کی نزاعوں کا فیصلہ کریں تو عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور دوسری آیت فوج اور رعیت کے بارہ میں ہے۔ رعایا کو حکم ہے کہ وُہ اپنے فرمانرواؤں کے احکام کی تعمیل کریں، بجز اُس صورت کے کہ وُہ معصیت خداوندی کا کوئی حکم دیں۔ کیونکہ خالق کی

کی معصیت میں مخلوق کی طاعت جائز نہیں اور اگر کسی بات میں تم آپس میں جھگڑ پڑو تو پھر کتابِ اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں حکم بناؤ اور اگر حکامِ وقت ایسا نہ کریں تو بھی اُن امور میں ان کی فرماں برداری کرتے رہو جو خلافِ شریعت نہ ہوں۔ کیونکہ اس میں اللہ اور اس کے رسول کی طاعت اور حکام کے اُن حقوق کی ادائیگی ہے کہ جن کے ہم مامور ہیں۔

الغرض ہم پر لازم ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ہمیشہ مسلم فرمانرواؤں کے مددگار رہیں۔ البتہ اُن امور میں اُن کی تائید و اعانت سے قطعاً دست کش رہنا چاہیئے جو معصیت و عدوان کو متضمن ہوں اور آیتِ مذکورہ میں جو لوگوں کی امانتیں پہنچانے اور عدل و انصاف کا شیوہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو یہ سیاستِ عادلہ اور ولایتِ صالحہ کا خوشگوار اجتماع ہے۔

امانت فی الولایات

یاد رہے کہ اداءِ امانات کی دو قسمیں ہیں۔ امانت فی الولایات اور امانت فی الاموال۔ پہلی آیت جو اُوپر درج ہوئی وہ امانت فی الولایات سے متعلق ہے اور یہی اس کی شانِ نزول ہے۔

کعبۂ معلّیٰ کی کُنجی

جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو آپ نے قبیلہ بنو شیبہ کے

سردار عثمان بن طلحہ رض سے کعبۂ معلّیٰ کی کنجی طلب فرمائی اور اس میں داخل ہو کر نماز پڑھی جب آپ باہر آئے تو آپ کے عمِ محترم حضرت عباس رض بن عبدالمطلب عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام میرے سپرد ہے۔ اگر کعبۂ معلّیٰ کی پاسبانی بھی مجھے تفویض ہو اور بنو شیبہ کی بجائے میں کعبۂ معلّیٰ کا کلید بردار بنا دیا جاؤں تو بڑی عنایت ہو گی۔ اس وقت مندرجۂ صدر آیت یعنی "مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتیں اُن کو واپس دیا کرو" نازل ہوئی اور آپ نے بیت اللہ کی کُنجیاں عثمان بن طلحہ رئیس بنو شیبہ کو دے دیں۔ پس مسلمان ولی الامر (یعنی حاکم) پر واجب ہے کہ اعمالِ مسلمین میں سے ہر عمل پر ایسے شخص کو عامل بنائے جو مسلمانوں میں سب سے زیادہ اس کا اہل ہو۔

اُن اعمال و افعال کا وجوب جس میں مسلمانوں کی بہتری ہو

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی ہوا اور اُس نے یہ جانتے ہوئے کہ ایسا شخص بھی میسّر ہو سکتا ہے جو مسلمانوں کے حق میں اس سے بہتر ہو سکے گا۔ کسی شخص کو حکومت دے دی تو اس نے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور مومنوں سے خیانت کی۔ اس حدیث کو حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ جس نے کسی کو ایک جماعت پر سردار بنا دیا اور وُہ جانتا ہے کہ اس جماعت میں اس سے بہتر آدمی

بھی سرداری کے لائق موجود ہے تو اُس نے اللہ سے اس کے رسول سے اور مومنوں سے خیانت کی۔

محبّت و قرابت کی بنا پر کسی کو والی بنانا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کے کسی کام کا مالک ہوا اور پھر اس نے قابلیّت کے بجائے اپنی محبّت یا قرابت کی بنا پر کسی کو مسلمانوں کا حاکم بنا دیا تو اُس نے اللہ اور اس کے رسول سے اور مسلمانوں سے غدّاری کی۔ غرض والیٔ حکومت پر واجب ہے کہ ولایتوں کے نائب، فوجی سردار، قلعوں کے محافظ، محکمۂ مال کے افسر، خراج اور زکوٰۃ وصول کرنے والے اور دوسرے عہدہ دار ایسے لوگوں کو مقرّر کرے جو ان خدمات کے لئے موزوں ترین ہوں اور ذمہ داری کا ہر عہدہ پُر کرنے کے لئے پوری سعی و جستجو کرے۔ تاکہ قابل سے قابل آدمی مہیّا کئے جائیں مسلمان فرمانروا پر بھی واجب ہے کہ مسجدوں میں نماز پڑھانے کے لئے ایسے امام مقرر کرے جو قاری اور اچھے عالم باعمل ہوں۔ علیٰ ہذا مؤذن، معلّم اور امیر الحج بھی قابل ترین افراد منتخب کئے جانے چاہئیں۔

ایسے شخص کے تقرر سے اجتناب جو خود کسی عہدہ کا طالب ہو

ایسے شخص کو کوئی عہدہ تفویض کرنے سے اجتناب کرنا لازم ہے جو خود اس کا طالب ہو اور

اس کے لئے ساعی ہو۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک مرتبہ چند اشخاص حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عامل بنائے جانے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ "ہم کسی ایسے شخص کو کوئی عہدہ نہیں دیتے جو اس کا طالب ہو"۔ ایک مرتبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابہ عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے فرمایا تھا۔ "اے عبدالرحمٰن! حکومت و امارت کی کبھی درخواست نہ کرنا کیونکہ اگر تمہیں بلا طلب مل گئی تو اس کے چلانے میں منجانب اللہ تمہاری اعانت ہوگی اور اگر اسے خود مانگ کر حاصل کروگے تو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی قضا طلب کرے یا اس طلب پر کسی سے مدد چاہے تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا اور جو قضا کا طالب نہ ہو اور اس کے حصول کے لئے کوئی سعی و سفارش نہ کرے تو اللہ تعالےٰ اس کی طرف ایک ایسا فرشتہ بھیج دیتا ہے جو اس کے تمام کاموں کی درستی و اصلاح کرتا رہتا ہے۔ اس حدیث کو اہل سنن نے روایت کیا ہے۔

مستحق کو نظر انداز کر کے غیر مستحق کو کوئی عہدہ دینا

اگر امیر یا بادشاہ کسی زیادہ مستحق اور زیادہ لائق آدمی کو نظر انداز کر کے کوئی عہدہ اس بنا پر کسی دوسرے شخص کو دے دے کہ وہ اس کا قرابت دار یا دوست باہم مشرب

یا ہم مذہب، یا ہم وطن یا ہم جنس مثلاً عربی، فارسی، ترکی، رومی ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے غداری کی۔ اسی طرح اگر کسی نے رشوت لے کر زیادہ قابل و مستحق شخص کو محروم رکھا یا امیر کے دل میں اس کے خلاف کینہ و عداوت کے جذبات موجزن ہیں یا کسی اور وجہ سے قابل پر ناقابل کو ترجیح دیتا ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے بے وفائی کی۔ ایسا امیر رب العالمین کے ارشاد کی اس نہی میں داخل ہے۔

اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم تو خیانت کے وبال سے واقف ہی ہو (۸ : ۲۷)

اس کے بعد رب العالمین فرماتا ہے :۔

اور یاد رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں اور اللہ تعالےٰ کے پاس بڑا اجر موجود ہے (۸ : ۲۸)

شفقتِ پدری کی بنا پر ترجیحی سلوک

انسان لبسا اوقات شفقت پدری کی وجہ سے بعض ولایات میں اپنی کسی اولاد کو دوسری پر ترجیح دیتا ہے یا اس کو کوئی ایسی چیز عطا کرتا ہے جس کا وہ شرعاً مستحق نہیں ہوتا۔ ایسا کرنے والا بلاشبہ اپنی امانت میں خیانت کرتا ہے۔ اسی طرح وہ بعض دفعہ اپنی اور اپنے مال کی حفاظت کے لئے اپنے حق سے زیادہ کوئی

چیز لے لیتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص خواہش نفسانی کی مخالفت کے باوجود امانت ادا کیا کرے، تو حق تعالےٰ اس کا مددگار ہو جائے گا اور اس کی موت کے بعد اس کے اہل اور مال میں ہر طرح کی سلامتی اور عافیت رہے گی۔ لیکن جو شخص اپنی خواہش نفسانی کا پیرو ہو اور نفس امارہ کی پیروی میں حق و باطل کی تمیز اٹھا دے تو حق تعالےٰ اس کو اپنے قصد میں ناکام رکھ کر اس پر عتاب و عقاب نازل فرمائے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے اہل و عیال ذلیل ہونگے اور اس کا مال برباد ہو جائے گا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا واقعہ

اس بیان کے مناسب حال یہ ایک مشہور حکایت ہے۔ خلفائے بنی عباس میں سے کسی نے کسی عالم سے کہا کہ کوئی چشم دید واقعہ بیان کیجیے۔ انھوں نے کہا میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ کو ان کے مرض موت میں دیکھا۔ کسی نے گذارش کی کہ "اے امیر المومنین! آپ نے اس مال سے اپنے فرزندوں کو مدت العمر محروم رکھا اور اب بھی ان کو بالکل مفلس و قلاش چھوڑے جاتے ہیں۔" آپ نے فرمایا "ان کو میرے پاس لاؤ۔" ان لڑکوں کی تعداد دس سے زیادہ تھی اور سب کے سب نابالغ تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ان کو دیکھ کر اشک بار ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا "میرے فرزندو! خدا کی قسم! میں نے تمہارے حق میں کوئی دست اندازی نہیں کی تمہارا نفقہ انصاف کے ساتھ برابر پہنچایا۔ البتہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ لوگوں کا

مال تمہارے حوالے کر کے خیانت کا مرتکب ہوتا۔ اب تمہاری حالت دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو تم نیک اور صالح بن کر رہو گے یا غیر صالح۔ صالح ہوئے تو رب قدیر نیکوں اور صالحوں کا خود معاون و کارساز ہے۔ اور اگر غیر صالح ہوئے تو مجھ کو تم سے کوئی سروکار نہیں۔ اس حالت میں میں کوئی ایسی چیز چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا جس سے تمہیں معصیت الٰہی میں مدد ملے۔ یہ کہہ کر فرمایا کہ اب تم یہاں سے جاؤ۔"

اس کے بعد خدائے مغنی نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ کے فرزندوں کو بہت کچھ آسودگی اور فارغ البالی بخشی۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے ان کے صاحبزادہ کو دیکھا کہ اس نے ایک مرتبہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے سو گھوڑے پیش کئے تھے۔

جلیل القدر بادشاہ جسکے بیٹوں کو بیس درہم سے بھی کم جائداد ملی

اسی طرح مسلمانوں کا ایک جلیل القدر خلیفہ گزرا ہے جس کی حکومت ایک طرف بلاد ترک میں مشرق کے انتہائی کنارے تک اور دوسری طرف اندلس کے انتہائی مغربی کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ جزیرۂ قبرص، شام اور اس کی سرحدیں اور اس کے نواحات طرطوس وغیرہ سب ان کی عملداری میں داخل تھے۔ اسی طرح یمن کے آخری حدود تک کی سرزمین بھی اس کے زیر نگیں تھی۔ یہ جلیل القدر سلطان بھی حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ کی طرح نہایت با خدا اور پاکباز فرمانروا تھا۔ جب اس نے

رحلت فرمائی تو اس کے بیٹوں نے بیس بیس درم سے بھی کم میراث پائی۔ اس کے مقابلہ میں جب ایک بادشاہ مرا تو اس کے بیٹوں کو چھ چھ لاکھ دینار طلائی ملے۔ لیکن میں نے ان میں سے بعض شاہزادوں کو دیکھا کہ انجام کار نانِ شبینہ تک محتاج ہو گئے۔ یہاں تک کہ ادھر اُدھر بھیک مانگتے پھرتے تھے۔ اس بارہ میں بہت سی اور بھی حکایتیں ہیں۔ مزید برآں زمانۂ حال کے بھی بہت سے مشاہدے ہیں جو ہر عقلمند آدمی کے لئے سرمایۂ عبرت ہو سکتے ہیں۔

حکومت قیامت کے دن حسرت و ندامت کا باعث ہو گی

سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ولایت و حکومت ایک امانت الٰہی ہے جس کا ادا کرنا اس کے موقع و محل میں واجب ہے۔ چنانچہ پہلے مذکور ہوا۔ اسی سلسلہ میں سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ اے ابو ذر! امارت و حکومت ایک امانتِ الٰہی ہے اور یہ قیامت کے دن حسرت و ندامت کا باعث ہو گی۔ سوائے اس شخص کے جس نے اس کو اس کے حق کے ساتھ قبول کیا اور اس کے تمام حقوق ادا کرتا رہا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو ہریرہ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امانت ضائع کی جانے لگے تو اس وقت قیامت کے منتظر رہو۔ التماس کی گئی یا رسول اللہ! امانت

کے ضائع کرنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ جب کسی کام کو نااہل کے سپرد کیا جائے تو اس کے بعد قیامت کا انتظار کرو۔"

ہر شخص چرواہا ہے

اگر کوئی یتیم کسی کی کفالت میں دیا جائے یا کسی وقف کا منتظم ہو یا کسی کے مال کی وکالت اس کے سپرد کی جائے تو اس پر لازم ہے کہ نہایت دیانت داری اور پوری تن دہی کے ساتھ اس کفالت کو دے اور اپنی طرف سے جد و جہد اور خیر خواہی کا کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہ کرے۔ جیسا کہ رب العالمین اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے "اور جب تک یتیم اپنی جوانی کو نہ پہنچ لے، اُس کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا سوائے اس حالت کے کہ یتیم کے حق میں احسن (بہترین صورت) ہو (۱۷: ۳۴)

رب العالمین نے اس آیت میں بطریق حسن نہیں کہا بلکہ اَحسن فرمایا کیونکہ والی حکومت رعایا کا ایسا ہی راعی ہے جس طرح گڈریا بکریوں کی چرواہی کرتا ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص راعی یعنی چرواہا ہے اور ہر ایک سے قیامت کے دن اپنی رعیّت کے متعلق باز پرس ہوگی۔" پس غلام اپنے آقا کے مال میں راعی ہے اور اس سے اس کی رعیّت کے متعلق پوچھا جائیگا اور تم میں سے ہر شخص راعی (چرواہا ہے) اور ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق باز پرس ہوگی۔" ان دونوں حدیثوں کو بخاری اور مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔

رعایا کی بے لوث خیر خواہی

سردار انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کو احکم الحاکمین نے کوئی حکمرانی بخشی ہو اور وہ ایسی حالت میں دنیا سے مفارقت کرے کہ رعیت سے خیانت کرتا رہا ہو اور خالص و بے لوث خیر خواہی نہ کی ہو، تو حق تعالےٰ اُس پر قیامت کے دن جنّت کی خوشبو بھی حرام کر دیگا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔

ایک مرتبہ ابو مسلم خولانی امیر معاویہ رضؓ کے درِ دولت پر گئے اور جا کر کہا السلام علیک یا اجیر (اے مزدور! تم پر سلام ہو) حاضرین دربار نے کہا یوں کہو "اے امیر السلام علیک" لیکن ابو مسلم نے دوبارہ یہی کہا السلام علیک یا اجیر یہ سُن کر حضرت معاویہ رضؓ نے کہا کہ ابو مسلم کو اپنے حسب منشا کہنے دو، کیونکہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کو سب سے زیادہ سمجھتے ہیں"۔ ابو مسلم نے کہا معاویہ! تم حقیقت میں مزدور ہو۔ ان بھیڑ بکریوں کے مالک نے ان کو چرانے کے لئے تم کو مزدوری پر رکھا ہوا ہے۔ پس اگر تم نے ان کی اچھی طرح نگرانی اور خبر گیری کی اور جو بیمار ہوئیں ان کا علاج کیا تو تمہارا آقا تمہیں پوری اُجرت دے گا اور اگر تم نے ان کی اچھی طرح دیکھ بھال نہ رکھی اور مریض بھیڑ بکریوں کے علاج معالجہ میں کوتاہی کی تو ان کا مالک تم پر غضبناک ہوگا۔ اسی طرح لوگ اللہ کے بندے ہیں اور والیانِ حکومت اللہ کے بندوں پر اُس کے

نائب ہیں۔ دوسرے معنی میں وہ بندوں کے ایسے ہی وکیل ہیں جس طرح شرکار کسی کام میں باہم شرکت رکھتے ہوں۔ جب ولی اور وکیل اپنے کاموں کے لئے کسی دوسرے شخص کو اپنا نائب بنائیں اور اُس شخص کو نظر انداز کر دیں جو تجارت یا زراعت کے انتظام کی اُس سے زیادہ قابلیت رکھتا ہو یا شراکت کا مال و اسباب کم قیمت پر فروخت کر دیں حالانکہ اُس سے زیادہ قیمت دینے والا خریدار بھی مل سکتا ہو تو انہوں نے اپنے رفیقِ کار سے خیانت کی خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ باہم دوستی یا قرابت کا رابطہ بھی موجود ہو۔

ذمّہ داری قوتِ استطاعت تک محدود ہے

مگر یاد رہے کہ یہ جو بہترین شخص کے انتخاب کی نسبت لکھا گیا ہے تو یہ اُس صورت میں ہے کہ کسی عہدہ یا خدمت کے لئے بہترین آدمی مل سکے۔ بعض دفعہ کسی عہدہ کے لئے موزوں آدمی نہیں مل سکتا تو ایسی حالتِ مجبوری میں اسی قابلیت کے آدمی پر اکتفا کیا جائیگا جو میسّر آسکے اور جب فرمانروا نے اپنی طرف سے قابل ترین شخص حاصل کرنے کی پوری کوشش کی مگر ویسا موزوں شخص میسّر نہ آسکا تو اس نے اپنی طرف سے حقِ امانت ادا کر دیا اور اپنے فریضہ سے عہدہ برآ ہوا۔ اور ایسا شخص اللہ تعالےٰ کے نزدیک عادل و انصاف پسند ائمہ کے زمرہ میں داخل ہو گیا کیونکہ قیامت کے دن ہر شخص سے اسی کی باز پرس ہو گی جس کی وہ استطاعت

رکھنا ہے۔ رب العالمین اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم سے ہو سکے (۶۴ : ۱۶) اور فرمایا اللہ کسی پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا (۲ : ۲۸۵) اور جہاد کے متعلق فرمایا اے پیغمبر تم اللہ کی راہ میں (دشمنوں سے) لڑو تم پر اپنی ذاتِ خاص کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں اور مسلمانوں کو بھی لڑائی کی ترغیب دو (۴ : ۸۴) اور فرمایا مسلمانو! تم اپنی خبر رکھو۔ جب تم راہ ہدایت پر ہو تو کسی دوسرے کی گمراہی تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی (۵ : ۱۰۵) پس جس نے اپنے مقدور بھر واجب ادا کر دیا وہ راہ ہدایت پر ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب میں کسی بات کا حکم دوں تو اُس کی اپنے مقدور بھر تعمیل کر دیا کرو۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی کام کی انجام دہی سے عاجز ہو اور وہ اس کو اپنے ذمہ لے لے۔ یا از راہ خیانت اس کو سر انجام نہ دے تو قیامت کے دن اس سے اس کی باز پُرس ہو گی۔

سب سے زیادہ موزوں شخص کا انتخاب

ضروری ہے کہ ہر منصب کے لئے سب سے زیادہ موزوں شخص تلاش کیا جائے۔ کیونکہ ولایت و حکومت کے دو رکن ہیں۔ قوت اور امانت۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ (شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی نے اپنے والد ماجد سے کہا) ابا جان! ان کو نوکر

رکھ لیجئے کیونکہ بہتر سے بہتر آدمی جو آپ نوکر رکھنا چاہیں مضبوط اور امانت دار ہونا
چاہیئے (۲۸ : ۲۶) اور شاہِ مصر نے یوسف علیہ السلام کی قابلیت اور لیاقت
دیکھ کر کہا آج تم ہماری سرکار میں باوقار اور صاحبِ اعتبار ہو (۱۲ : ۵۴) اور
رب العالمین عز اسمہ نے جبریل علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا "یہ قرآن بیشک
معزز فرشتے کا پہنچایا ہوا پیام ہے اور وہ وحی کے بارگراں کے اُٹھانے کی طاقت
رکھتا ہے اور اس کا بڑا درجہ ہے اور وہاں (ملائکہ کا) افسر اور امانت دار ہے (۸۱ : ۲۰)

سپہ سالار کے اوصاف

قوت ہر ولایت اور ہر محکمے میں اس کی ضرورت کے مطابق اور مناسب حال ہوتی
ہے لشکر کی امارت و سرداری کے لئے جس قوت کی ضرورت ہے وہ شجاعتِ
قلب لڑائی کی مہارت اور جنگی حیلہ سازی اور فریب کاری ہے۔ اور رزم و پیکار میں
موخرالذکر صفت اس لئے ضروری ہے کہ لڑائی نام ہی چالاکی اور ہنر مندی کا ہے
اس کے علاوہ تیر اندازی اور سواری کی مشق بھی لازمی ہے چنانچہ اللہ تعالے فرماتا
ہے "حربی قوت اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے جہاں تک ممکن ہو کافروں کے
مقابلہ کے لئے ساز و سامان مہیا کرتے رہو (۸ : ۶۰) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا تیر اندازی اور سواری کرو اور مجھے تیر اندازی سواری سے زیادہ مرغوب ہے
جس نے تیر اندازی کی مشق کی پھر اُس کو بھلا بیٹھا تو وہ ہم میں سے نہیں اور ایک

روایت میں ہے کہ تیر اندازی کو بھلانے والا ایک نعمت الٰہی کی ناشکری کرتا ہے

اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا۔

قاضی کے اوصاف

لوگوں میں محاکمہ کی قوت یہ ہے کہ اس عدل و انصاف کا علم ہو جس پر کتاب و سنت دلالت کرتی ہے اور احکام نافذ کرنے کی قوت حاصل ہو۔ اور امانت کی صفت سے وہ شخص متصف ہو سکتا ہے کہ خوف و خشیت الٰہی جس کا شیوہ ہو۔ آیات الٰہی کو دنیا کے حقیر منافع کے عوض نہ بیچے اور لوگوں سے ڈرنا چھوڑ دے۔ اللہ تعالےٰ نے ان تینوں خصلتوں کا اپنے کلام پاک کی اس آیت میں حکم فرمایا ہے۔ پس لوگوں سے نہ ڈرو اور میرا ہی ڈر مانو اور میری آیتوں کے معاوضہ میں دنیا کے ناچیز فائدے حاصل نہ کرو اور جو لوگ خدا کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ کریں تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔ (۵ : ۴۴)

اسی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قضاۃ تین ہیں۔ دو تو جہنم کا ایندھن بنیں گے اور ایک قاضی جنت میں جائیگا پس وہ شخص جس نے حق کو جانتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ کیا۔ وہ جہنمی ہے اور جس نے علم و یقین حاصل کئے بغیر بے خبری میں فیصلہ کر دیا وہ بھی جہنم میں جائیگا اور جس نے حق کو جان لیا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنت میں داخل کیا جائیگا۔ اس حدیث کو اہل سنن نے روایت کیا ہے

قاضی اسی کو نہیں کہتے جو عدالت کی کرسی پر بیٹھا ہو بلکہ قاضی ہر وہ شخص ہے جو دو آدمیوں کی نزاع کا فیصلہ کرے۔ خواہ خلیفہ وسلطان ہو یا ان کا نائب ہو یا والی ہو یا شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کے لئے متعین ومامور ہو۔ حتیٰ کہ وہ شخص بھی اس حکم میں داخل ہے جو دو بچوں کی کسی منازعت کا فیصلہ کرے۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ذکر فرمایا ہے اور یہی ظاہر ہے۔

معلوم ہوا کہ لوگوں میں قوت اور امانت کا جمع ہونا قلیل الوجود ہے۔ اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ کہا کرتے تھے الٰہی میں فاجر کی چستی وچالاکی اور ثقہ کے عجز وبے بسی کا ہی شکوہ کرتا ہوں پس ہر ولایت اور ہر محل میں وہی واجب ہے جو وہاں کے مطابق اور مناسب حال ہو۔ اور جب دو شخص دیکھے جائیں ان میں سے ایک تو امانت میں سب سے بڑھا ہو اور دوسرا قوت میں سب پر فائق ہو تو وہاں اس شخص کو ترجیح دینی چاہئے جو اس ولایت کے لئے زیادہ نفع بخش ہو اور اس میں لوگوں کیلئے کم سے کم ضرر کا احتمال ہو۔

امین ومتقی قادر پر قوی وشجاع کو ترجیح

پس لڑائی میں اس شخص کو سپہ سالار بنانا چاہئے جو قوی اور شجاع ہو اگرچہ اس میں فسق وفجور پایا جائے اور اس کو ضعیف ودرماندہ پر ترجیح دینا چاہئے اگرچہ امین ومتقی ہو چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ سے پوچھا گیا کہ فاجر قوی اور صلح ضعیف

ہیں سے کس کو لڑائی میں قائد بنانا چاہیئے ؛ فرمایا فاجر قوی کو کیونکہ اس کی قوت کا فائدہ مسلمانوں کو ہے اور اس میں جو فسق و فجور ہے وہ اس کی ذات کے لئے مضر ہے اور صالح ضعیف کا صلاح و تقویٰ گو خود اس کی ذات کے لئے منفعت بخش ہے لیکن مسلمانوں کے لئے اس کا ضعف ہلاکت آفریں ہے۔ فرمایا قوی فاجر کی قیادت میں غزا کرو کیونکہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے دین کی فاجر آدمی سے بھی تائید کرا لیتا ہے"۔ اور اگر وہ فاجر نہ ہو تو امارت حربیہ کے لئے اس شخص سے بہتر ہے جو اُس سے دین میں زیادہ افضل ہے بشرطیکہ کوئی اور مانع نہ پایا جائے۔

یہی وجہ تھی کہ حضور سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالد بن ولیدؓ کو برابر اُن ایام سے امیر لشکر بناتے رہے جب وہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ خالد ایک تلوار ہیں جسے اللہ تعالےٰ نے مشرکوں پر مسلط کر دیا ہے حالانکہ خالدؓ بعض اوقات ایسے کام کر بیٹھتے تھے جو حضور سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک پر شاق گزرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جب آپ نے خالدؓ کو قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف روانہ کیا اور محض شبہ کی بنا پر ان کو قتل کیا اور ان کے اموال لے لئے تو آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر فرمایا تھا۔ الٰہی! میں اُس کام سے بری ہوں جس کا خالد نے ارتکاب کیا ہے با ایں ہمہ آپ ہمیشہ خالدؓ ہی کو لشکر کا قائد بنا کر بھیجا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ فنِ حرب

میں سر آمدِ روزگار تھے۔ اور ابوذر غفاری رض میں امانت اور صدق کی شان بڑھی ہوئی تھی۔ باوجود اس کے آپ نے ابوذر رض سے فرمایا تھا اے ابوذر! میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک ضعیف آدمی ہو اور میں تمہارے لئے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو مجھے اپنے لئے پسند ہے۔ نہ تو دو آدمیوں کی بھی امارت قبول کرنا اور نہ مال یتیم کی تولیت قبول کرنا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

مصلحت شرعی کی بنا پر مفضول کو افضل پر امیر بنانا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رض کو امارت اور ولایت قبول کرنے کی ممانعت فرمائی کیونکہ آپ نے ان کو ضعیف پایا۔ باوجودیکہ ابوذر رض بہت بڑے امین اور صادق القول تھے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذات السلاسل میں عمرو بن عاص رض کو ان صحابہ پر امیر بنا کر بھیجا جو ان سے افضل تھے اور اس قیادت کا مقصد ان کی قوم کے ان لوگوں کو مائل کرنا تھا جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ اسی طرح آپ نے حضرت اُسامہ بن زید رض کو اپنے والد کا انتقام لینے کے لئے امیر لشکر بنا کر بھیجا تھا اور بہت سے جلیل القدر صحابہ اُن کی ماتحتی میں روانہ فرمائے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی معمول تھا کہ کبھی کسی شخص کو مصلحت کی بنا پر سپہ سالار بنا کر بھیجتے تھے اور ایسے ایسے اکابر صحابہ کو اس کے ساتھ کر دیتے تھے جو علم اور ایمان میں اس سے کہیں فائق و افضل ہوتے تھے۔

انہی مصالح و حکم کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتال مرتدین اور عراق اور شام کی فتوحات میں برابر خالد بن ولید رضؓ کو سپہ سالار بنائے رکھا۔ باوجودیکہ خالدؓ نے تاویلوں کے ماتحت متعدد غلطیاں کیں حضرت ابوبکر رضؓ نے انہیں ہوائے نفس کی طرف مائل ہو جانے کے باوجود کبھی معزول نہ کیا بلکہ عتاب پر اکتفا کیا کیونکہ ان کو ان کے عہدہ پر بحال رکھنے میں جو منافع و مصالح تھے وہ مفاسد سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی معزولی کی صورت میں کوئی ایسا موزوں آدمی بھی نظر نہیں آتا تھا جو ان کا قائم مقام ہو سکتا۔

خلیفہ اور اس کے نائب کو متضاد اخلاق کی ضرورت

واقعہ یہ ہے کہ جب خلیفۃ المسلمین یا امیر اسلام حلیم الطبع اور نرم مزاج ہو تو نائب السلطنت ایسا ہونا چاہیئے جو شدت کی طرف مائل ہو اور جب سلطان المسلمین کے مزاج میں شدت و غضب ہو تو اس کے نائب کا حلیم الطبع اور نرم دل ہونا مناسب ہے تاکہ دونوں کے امتزاج سے اعتدال پیدا ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خالد رضؓ کو اپنا نائب بنایا۔ اور یہ تو ہر شخص کو معلوم ہوگا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی طبیعت نہایت نرم تھی اور حضرت عمر فاروق رضؓ نے خالد رضؓ کو معزول کر کے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضؓ کو قائد افواج مقرر فرمایا۔ کیونکہ خالد رضؓ حضرت عمر رضؓ کی طرح گرم مزاج تھے اور حضرت ابوعبیدہ رضؓ کے مزاج میں امیر المومنین ابوبکر صدیق رضؓ کی طرح حلم و انکسار تھا۔ پس ہر خلیفہ کے مناسب حال یہی ہے کہ وہ مصلحت وقت کے ماتحت

اپنا نائب متعین کرے تاکہ اس کی فرمانروائی اور ملکی نظم و نسق میں اعتدال کی روح کارفرما ہو۔

نبی کریم کی ذات گرامی میں بیک وقت سختی اور نرمی کی دونوں کیفیتیں پائی جاتی تھیں۔ اسی معنی میں آپ نے فرمایا کہ میں نبی الرحمۃ ہوں اور میں نبی الملحمۃ ہوں۔ (ملحمہ جنگ کو کہتے ہیں) اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں ہنسنے والا ہوں اور ساتھ ہی قتل کرنے والا بھی۔ اور جس طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کیفیتوں کے حامل تھے، اسی طرح آپ کی امت بھی وسطی یعنی معتدل و میانہ رو ہے۔ چنانچہ رب العالمین عز اسمہ نے صحابہ کرام کی نسبت فرمایا کہ کافروں کے حق میں (ان کی تمرانگیزیوں سے نپٹنے کے لئے) بڑے سخت ہیں مگر آپس میں بڑے رحمدل ہیں (۴۸: ۲۹) اسی طرح دوسری جگہ رب العزۃ نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت فرمایا:-

"مومنوں کے ساتھ نرم اور کافروں کے حق میں سخت" (۵ : ۵۴)

شیخینؓ کی پیروی میں فرمانِ نبوی کا راز

اسی بنا پر جب ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے عنانِ خلافت سنبھالی تو خلافت و فرمانروائی میں دونوں حضرات نقطۂ کمال کو جا پہنچے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ دونوں بزرگ متضاد اخلاق سے موصوف سمجھے جاتے تھے۔

اوّل الذکر میں بہت نرمی اور ثانی الذکر میں بہت سختی تھی لیکن جب یہ دونوں اپنے اپنے وقت میں سر برآرائے خلافت ہوئے تو ان کے مزاج میں اعتدال کی روح پیدا ہو گئی۔ اسی اعتدال کے پیشِ نظر حضرت صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کی پیروی کرنا۔ حضرت ابوبکرؓ سے قتال مرتدین وغیرہ کے موقع پر بڑی جرأت اور شجاعتِ قلبی ظاہر ہوئی۔ حالانکہ مانعینِ زکوٰۃ اور دوسرے مرتدوں کی سرکوبی کے مسئلہ پر حضرت عمرؓ اور تمام دوسرے اکابر صحابہ آپ کے خلاف تھے اور اگر کسی عہدہ کے لئے امانت و دیانت کی زیادہ ضرورت ہو۔ مثلاً اموال کی حفاظت اور اس قسم کی دوسری ضرورتیں درپیش ہوں تو امین و دیانت دار افسر کا انتخاب عمل میں لانا چاہیئے۔

خراج کا افسر

خراج کی وصولی اور حفاظت کے لئے ایسے عہدہ دار کا تقرر ضروری ہے جو قوّت اور امانت دونوں صفتوں کا حامل ہو۔ اور اگر فرد واحد دونوں صفتوں کا جامع نہ مل سکے تو دو افسر متعین کر دیئے جائیں۔ ایک تو قوی اور رعب دار ہو جو اپنی قابلیت سے بسہولت خراج وغیرہ وصول کرے۔ دوسرا امانت دار منشی ہو جو اپنے تجربہ اور امانت سے اموال کی حفاظت کرے۔ الغرض تمام عہدوں کے لئے اسی اصول کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ جب کوئی مصلحت ایک آدمی کے تقرر سے تکمیل پذیر نہ ہو تو ایک سے زائد

آدمی منتخب کیئے جائیں۔

تغیر پذیر حالات کے ماتحت قضاۃ کے اوصاف

عہدہ قضا کے لئے اُس عالم کو ترجیح دی جائے گی جو صاحبِ ورع و تقویٰ ہو اور اگر ایک شخص علم میں بہت ممتاز ہو اور دوسرا تقویٰ سے مزیّن ہو تو اگر بڑے عالم کے حق میں ہوائے نفس کا خطرہ ہو تو زیادہ پرہیز گار کو اختیار کیا جائے اور جہاں علمی تحقیقات کی ضرورت لاحق ہو اور اشتباہ سے بچنا منظور ہو وہاں عالم کو ترجیح دی جائے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُس ناقد و بصیر کو دوست رکھتا ہے جو ورودِ شبہات کے وقت فہم و بصیرت سے کام لے۔ جب خواہشات نفسانی حلول کریں تو اُس وقت قاضی کے لئے عقل کامل سے کام لینے کی سخت ضرورت ہے اور اگر قاضی کو امیرِ لشکر یا عامۃ الناس کی تائید حاصل ہو تو اس وقت معمولی علم و تقویٰ رکھنے والے کے مقابلہ میں بڑے عالم اور بڑے متقی کو ترجیح دی جائے گی اور اگر قضاء کو قوت کی احتیاج ہو تو قاضی کی امداد کرنا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے جس قدر کہ اسے مزید علم و ورع سے متصف ہونے کی حاجت ہے اور قاضی مطلق کو عالم، عادل اور ذی قدرت ہونے کی سخت احتیاج ہے۔ بلکہ یہ تینوں صفتیں مسلمانوں کے ہر عہدہ دار میں پائی جانی چاہئیں۔ پس ان صفات سہ گانہ میں سے جس صفت کے لحاظ سے بھی قاضی یا کسی دوسرے عہدہ دار میں کمی ہو گی اُس

کی وجہ سے نظم ونسق اور معدلت گستری میں اس درجہ خلل اور فتور رونما ہوگا۔

عالم مقدّم ہے یا متدّین؟

کفایت یا تو قہر اور خوف کے ساتھ ہوگی یا احسان اور رغبت کی بنا پر پائی جائیگی۔ اور فی الحقیقت یہ دونوں امور ضروری ہیں اور بعض علماء سے دریافت کیا گیا کہ اگر عہدۂ قضا کے لئے عالم فاسق ______ کے سوا کوئی نہ مل سکے تو کس کو ترجیح دی جائے؟ علماء نے فرمایا کہ اگر غلبۂ فساد کے وقت دین کی زیادہ حاجت ہو تو متدیّن کو مقدّم رکھا جائے گا اور اگر پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کی ضرورت ہو تو عالم کو ترجیح دی جائیگی۔ اور اکثر علماء متدیّن کو مقدّم رکھتے ہیں کیونکہ آئمہ اس بات پر متفق ہیں کہ متولی کے لئے ضروری ہے کہ وہ عادل اور شہادت کا اہل ہو۔ پھر اس بارہ میں بھی اختلاف ہے کہ عالم کے لئے مجتہد ہونا لازم ہے یا اس کا مقلّد ہونا ہی کافی ہے یا جیسا بھی میسّر ہو متعیّن کر لیا جائے۔ صحیح یہ ہے کہ ضرورت کے وقت غیر اہل کی تولیت بھی روا ہے جب کہ وہ موجودین میں سب سے زیادہ قابلیّت کا مالک ہو۔ باوجود اس کے اصلاح احوال میں کوشش کرنا واجب ہے۔ یہاں تک کہ امور ولایت میں سے لازمی اور ضروری کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے تنگ دست پر ادائے قرض کے لئے سعی کرنا واجب نہیں ہے اگرچہ بالفعل قرض دار سے اسی قدر طلب کیا گیا ہو جس کے ادا کرنے

کی اس میں قدرت ہو، یا جس طرح عجز و بے بسی کے وقت قوت مہیا کرنے اور گھوڑے باندھنے سے جہاد کے لئے مستعد رہنا واجب نہیں کیونکہ جس کے بغیر واجب پورا نہ ہوتا ہو وہ کام واجب ہوتا ہے۔ بخلاف حج وغیرہ کی استطاعت کے ان کی تحصیل واجب نہیں کیونکہ اس کے بغیر یہاں واجب پورا نہیں ہوتا۔

حاکم کے لئے سب سے زیادہ ضروری کام اصلاح کا طریقہ معلوم کرنا ہے۔ اور اس کا معلوم کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ ولایت کا مقصد اور حصول مقصد کا طریقہ جان لیا جائے۔ پس جب تم مقصد اور اس کے وسائل کو پہچان لوگے تو کام پایۂ تکمیل تک پہنچ جائیگا۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر ملوک نے جب دیکھا کہ اُن پر دنیاوی اغراض کا غلبہ اور دین کی طرف بے التفاتی ہے تو انہوں نے اپنی ولایت میں ایسے لوگوں کو جگہ دی جو اُن مقاصد میں ان کی مدد کریں۔

امامِ نماز ہی قائدِ سپاہ مقرر ہوتا تھا

ایک سنت یہ تھی کہ جو افراد مسلمانوں کو نماز پنجگانہ اور جمعہ پڑھاتے تھے اور خطبہ دیتے وہی قائدِ جنگ بنائے جاتے کیونکہ ائمہ نماز ہی عساکرِ اسلامیہ میں بادشاہ کے نائب ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رض کو نماز میں مقدم کیا تو مسلمانوں نے لشکر کی سرداری وغیرہ امور کے لئے بھی انہی کو منتخب کیا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جس کسی کو لشکر کا سردار بنا کر

بھیجتے تھے تو آپ کے فرمان کے بموجب وہی فوج کو نماز بھی پڑھاتا تھا اور تمام صحابۂ کرامؓ اس کے اقتدا میں نماز ادا کرتے تھے۔ اسی طرح جب کبھی آپ کسی کو کسی شہر کا حاکم بنا کر بھیجتے تھے جیسا کہ عتابؓ ابن اُسید کو مکہ کا، عثمان ابن ابوالعاص کو طائف کا، علی، معاذ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کو یمن کا اور عمر بن خزم کو نجران کا حاکم بنا کر بھیجا تو یہی حکام جا کر نماز کی امامت کرتے اور حدود الٰہی وغیرہ قائم کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین، ملوکِ اُموی اور بعض عباسی فرمانروا بھی اس سنّت پر عمل پیرا رہے۔

نماز کی اہمیّت

امورِ دین میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری افعال نماز اور جہاد ہیں۔ اسی بنا پر سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی مریض کی عیادت کو تشریف لے جاتے تو فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی! اپنے بندے کو جو تیرے لئے نماز میں شامل ہوتا اور تیرے لئے دشمنانِ دین کو قتل کرتا تھا شفا دے۔ اور جب آپ نے حضرت معاذ بن جبل انصاریؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا اے معاذ! میرے نزدیک تمہارا سب سے اہم و ضروری کام نماز ہے پس جس نے اس کی حفاظت کی اور اس کا پابند رہا، وہ محفوظ رہا اور جس نے نماز کو ضائع کیا، اس کا تمام کیا کرایا غارت ہوا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے اور یہ فحش کاریوں اور ممنوعاتِ اعمال سے محفوظ رکھتی ہے اور یہ

نماز ہی ہے جو دوسری طاعات میں بندے کی مدد کرتی ہے۔ چنانچہ رب جلیل نے فرمایا مُشکلات کے وقت، صبر اور نماز کا سہارا پکڑو" اور نماز البتہ اُن لوگوں کے سوا جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں سب پر شاق ہے" (۲ : ۴۵) اور فرمایا اے مومنو! (تم کو کسی طرح کی بھی مشکل پیش آئے تو اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے صبر اور نماز سے مدد لو اور اللہ تعالےٰ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے (۲ : ۱۵۳) اور حق تعالےٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ "اپنے گھر والوں پر نماز کی تاکید رکھو اور خود بھی اس کے پابند رہو۔ ہم تم سے کچھ روزی کے تو طالب نہیں ہیں بلکہ ہم تو تم کو روزی دیتے ہیں اور انجام کی کامیابی تو پرہیزگاری پر موقوف ہے" (۲۰ : ۱۳۲) اور فرمایا "ہم نے جنوں اور انسانوں کو اس غرض کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ ہماری عبادت کریں ہم ان سے روزی کے تو خواہاں نہیں اور نہ اس کے متمنی ہیں کہ ہم کو کھلائیں پلائیں۔ اللہ تعالےٰ تو خود بڑا رزق رساں اور قوی اور متین ہے" (۵۱ : ۵۸)

حکمرانی کا مقصد اصلاحِ دین ہے

ولایت و حکمرانی کا لازمی مقصد خلقِ خدا کے دین کی اصلاح ہے۔ پس اگر لوگوں کا دین برباد ہو تو اُن کا زیان و خسران ہلاکت آفریں ہو گا اور مآل کے اعتبار سے وہ دنیاوی نعمتیں ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دے سکیں گی جن سے منعم حقیقی نے اُن کو نوازا ہے۔ وہ دنیاوی امور جن کے بغیر لوگوں کا دین قائم نہیں رہ سکتا دو طرح کے ہیں۔ مستحقین

میں مال تقسیم کرنا اور اعتدال سے تجاوز کرنے والوں کو سزائیں دینا۔ جو شخص حد سے تجاوز نہ کرے اور اعمال زندگی میں اعتدال کا راستہ اختیار کیئے رہے، اس کے دین اور دنیا دونوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اسی بنا پر حضرت عمر رضؓ صوبوں کی رعایا کو لکھ بھیجتے تھے کہ میں نے اپنے عمّال کو اس غرض سے تمہاری طرف بھیجا ہے کہ وہ تم کو تمہارے پروردگار کی کتاب اور تمہارے نبیؐ کی سنّت کی تعلیم دیں اور تم لوگوں میں خراج اور مالِ غنیمت تقسیم کریں۔ پس جب کسی وجہ سے راعی اور رعایا میں تغیّر آجائے تو نظامِ حکومت بگڑ جاتا ہے۔

امام عادل کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے

جو حاکم لوگوں کے دین و دُنیا دونوں کی اصلاح کی بحسبِ امکان کوشش کرے وہ اپنے اہلِ زمانہ میں سب سے افضل ہوتا ہے اور ثواب میں تمام مجاہدین فی سبیل اللہ سے بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ امام عادل جو رعایا پر انصاف سے حکومت کرتا ہے اس کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے اور مسند امام احمد میں روایت کی گئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب امام عادل اور سب سے زیادہ مبغوض ظالم حکمران ہے" اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات شخص ہیں جن کو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن جب اس کے

سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا اپنے فرش کے سایہ میں جگہ دیگا۔ حاکم عادل (۲) وُہ جوان جو اللہ عزوجل کی عبادت کرتے کرتے معمّر ہوا (۳) وہ آدمی جس کا دل مسجد سے نکلتے وقت مسجد سے معلّق ہے یہاں تک کہ اس میں واپس آئے (۴) دو اشخاص جو آپس میں اللہ کے لئے محبّت رکھتے ہیں جب ملتے ہیں تو اللہ کے لئے اور جب جدا ہوتے ہیں تو رضائے الٰہی کے لئے (۵) وہ مومن جس نے تنہائی میں ذکر الٰہی کیا اور اس حالت میں اس کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں (۶) وُہ مرد جس کو کسی ذی منصب اور صاحب جمال عورت نے اپنی طرف بلایا اور اس نے انکار کیا اور بولا کہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور (۷) وہ شخص جس نے اس طرح اخفا و رازداری کے ساتھ صدقہ دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ تک معلوم نہ ہو سکا کہ دائیں ہاتھ نے اللہ کے راستہ میں کیا دیا؟ اور صحیح مسلم میں عیاض بن حماد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تین آدمی جنّتی ہیں (۱) سلطان عادل (۲) رحمدل اور نرم خو آدمی جو ہر قرابت دار اور ہر مسلمان سے نرمی اور شفقت کا برتاؤ کرتا ہے (۳) وُہ مالدار شخص جو حرام کاموں سے بچتا اور صدقہ خیرات کرتا ہے اور سُنن میں یہی سے مروی ہے کہ حضور خیر البشرؐ نے فرمایا کہ حق کے ساتھ صدقہ میں کوشش کرنیوالا مجاہد فی سبیل اللہ کی مانند ہے۔

جہاد کا حکم

رب العزّت نے جہاد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ مومنو! کافروں سے لڑتے رہو یہاں

تک فساد (شرک) کا نام و نشان نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ ہی کا ہو جائے (۸ : ۳۹) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں التماس کی گئی یا رسول اللہ! کوئی شخص اظہارِ شجاعت کے لئے لڑتا ہے اور کوئی حمیت کے لیے اور کوئی نمائش و ریاکاری کے لئے، ان میں سے کس کی جنگ جوئی اللہ کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اس غرض سے مقابلہ کرے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اسلام کا بول بالا ہو تو اس کی لڑائی فی سبیل اللہ ہے۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

جہاد کا مقصد اعلاءِ کلمۃ اللہ ہے

پس مقصود یہ ہے کہ دین تمام کا تمام اللہ ہی کا ہو جائے اور کلمۃ اللہ بلند ہو۔ کلمۃ اللہ ایک اسم جامع ہے جو ان تمام کلمات پر مشتمل ہے جو کتاب اللہ میں ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بلاشبہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے معجزے دے کر بھیجا اور ان کی وساطت سے کتابیں نازل کیں اور نیز ہم نے ترازو کو رائج کیا تاکہ لوگ (دینی دنیاوی دونوں طرح کے معاملات میں) انصاف پر قائم رہیں (۵۷ : ۲۵)

پس رسولوں کی بعثت اور کتابیں نازل کرنے سے یہ مقصود ہے کہ لوگ خلقتِ الٰہی کے حقوق کے بارہ میں انصاف پر قائم رہیں اس کے بعد فرمایا :- ہم نے لوہا پیدا کیا (کہ اس سے ہتھیار بنائے جائیں) تو اس میں بڑا خطرہ ہے اور اس میں لوگوں کے منافع بھی ہیں اور اس خطرناک لوہے کی پیدائش سے یہ بھی غرض ہے کہ رب قدیر ان

لوگوں کی آزمائش کرے جو اللہ تعالےٰ کی رؤیت کئے بغیر خدا اور اس کے رسولوں کی مدد پر مستعد ہو جاتے ہیں۔ (۲۵ : ۵۷) پس جو کوئی کتاب اللہ سے روگردانی کرے اُس کو لوہے کے ساتھ اس پر قائم کیا جائے۔

دین کو قائم رکھنے والی دو چیزیں ہیں، قرآن اور تلوار

غرض دین کو قائم اور باقی رکھنے والی دو چیزیں ہیں۔ قرآن اور تلوار۔ اور حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اس تلوار سے اس کی خبر لیں جو قرآن سے روگردانی کرتا ہے۔ پس جب مقصود یہ ہے تو اس کے قیام کا قریب ترین اور اس کے بعد اس سے کم درجہ کا راستہ اختیار کیا جائیگا اور دو شخصوں میں جو پیش نظر ہوں باہم موازنہ کر کے دیکھا جائیگا کہ حصولِ مقصد کے لئے زیادہ مفید کس کی ذات ہے، اسی کو والی بنایا جائیگا۔ پس جس صورت میں کہ ولایت اور حکومت صرف امامت، نماز کی مانند ہے تو اس کے لئے بھی اسی شخص کو مقدم کیا جائے گا جس کو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدم کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کرے جو اللہ تعالےٰ کی کتاب کو سب سے بہتر پڑھتا ہو۔ اگر لوگ قرأت میں مساوی ہوں تو پھر اس کو ترجیح دی جائیگی جو سنت کا زیادہ عالم ہو۔ اگر سنت کا علم رکھنے میں برابر ہوں تو پھر اس کو امام بنایا جائے گا جس نے ہجرت میں سبقت کی ہو۔ اور اگر ہجرت میں مساوی حیثیت رکھتے ہوں تو اس کو آگے کھڑا کیا جائے

جو عمر میں بڑا ہو۔ جب ان وجوہِ ترجیح کے لحاظ سے کوئی شخص امام بنایا گیا تو کسی دوسرے شخص کے لئے مناسب نہیں کہ اس کی موجودگی میں امامت کرے اور نہ کسی کے لئے یہ روا ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی عزت کے مقام پر بیٹھے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

اذان کیلئے قرعہ اندازی

جب دو شخص اوصاف میں برابر ہوں یا یہ پتہ نہ چل سکے کہ ان میں زیادہ قابل کون ہے تو اسی طرح قرعہ اندازی سے کام لیا جائے جس طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ نے قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا تھا۔ حضرت صادقِ مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ اذان دینے اور صف اوّل میں نماز پڑھنے کا کتنا بڑا درجہ ہے تو ہر شخص اذان دینے اور صفِ اوّل میں نماز پڑھنے کی کوشش کرے اور قرعہ اندازی کے بغیر ان سے باز رہنا گوارا نہ کرے۔ جنگِ قادسیہ میں اذان پر نزاع ہوئی۔ ہر شخص اس کا متمنی تھا۔ آخر فرمانِ نبوی کے بموجب حضرت سعد رضؓ نے قرعہ ڈال کر اس کا فیصلہ کیا۔ ظاہر ہے کہ تقدیم (یعنی کسی کو ترجیح دینا اور مقدّم کرنا) اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے جب اس کا حکم ظاہر ہو اور اس کے فعل سے ہے جب کہ اس کا امر مخفی ہو کیونکہ قرعہ کو مرجح کرنا رب العالمین ہی کے حکم و مشیّت سے ہے۔

مالی امانتیں اور اُن کے اقسام

مالی امانتوں کی دوسری قسم قرضوں وغیرہ کے متعلّق ہے۔ رب العالمین عزّ اسمہٗ فرماتا ہے: پس اگر تم میں سے کوئی کسی کا اعتبار کرے (اور قرض دے) تو اس شخص کو جس پر اعتبار کیا گیا ہے (یعنی قرض لینے والے کو) چاہیئے کہ اس کی امانت (یعنی قرض) کو پورا پورا ادا کر دے اور اپنے رب سے ڈرتا رہے (۲ : ۲۸۳) اور اس قسم میں اعیان اور تمام قسم کے قرضے اور شریک، موکل اور مضارب کے مال اور اہل وقف کا مال وغیرہ وغیرہ سب داخل ہیں۔

امانت داری کی تاکید

خدائے عزیز و برتر فرماتا ہے:۔ انسان تھڑدلا (چھوٹے دل کا) پیدا کیا گیا ہے جب اس کو کچھ نقصان پہنچتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے مگر ان لوگوں کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے جو اپنی نماز (بلاناغہ) ہمیشہ ادا کرتے ہیں اور جن کے مالوں میں مانگنے والوں اور بے سوال ناداروں کا حصّہ مقرّر ہے (۷۰ : ۲۰-۲۵) اس سے آگے فرمایا ہے:۔ اور وہ لوگ جو اپنی (تحویل کی) امانتوں کا اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں اور وُہ جو اپنی گواہیوں پر ثابت قدم رہتے ہیں اور وہ جو اپنی نماز کی پابندی اور محافظت کرتے ہیں (۷۰ : ۳۲-۳۳)

اور فرمایا "اے پیغمبر ہم نے جو کتاب برحق تم پر نازل کی ہے وہ اس لیئے کہ جیسا تم کو خدا نے جتلا دیا ہے، اس کے مطابق لوگوں کے باہمی جھگڑے چکا دیا کرو اور خائنوں کے کبھی حامی نہ بنو (۴ : ۱۰۵) یعنی ان کی حمایت میں کسی سے نزاع نہ کرو۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن وُہ ہے جس سے لوگوں کے خون اور مال محفوظ رہیں اور مومن اور مسلمان، وہ ہے جس کی زبان سے اور ہاتھوں سے مسلمان سلامت رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان کاموں سے علیحدہ ہو جائے جن کی اللہ تعالےٰ نے ممانعت فرمائی ہے اور مجاہد وُہ ہے جس نے اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنے نفس سے جہاد کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کا کچھ حصّہ تو صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں ہے اور کچھ حصّے کی ترمذی نے تصحیح کی ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اس نیّت سے لوگوں کا مال لیا کہ (وقت پر) ادا کر دیگا تو حق تعالیٰ اس کی ادائیگی کا سامان کر دیگا اور جو کوئی اس نیت سے قرض لیتا ہے کہ اس کو خرد برد کریگا تو حق تعالےٰ اس کو برباد کر دیگا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کی۔

مال مغصوبہ و مسروقہ کا واپس کرنا

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان امانتوں کا ادا کرنا واجب کر دیا ہے۔ جن پر کسی نے حق کے ساتھ قبضہ کیا ہو، اسی طرح اُن اموال کا واپس کرنا اور حق دار کے پاس پہنچانا

بھی واجب ہے جو غصب، چوری اور خیانت وغیرہ ناجائز وسائل سے حاصل کیا گیا ہو۔ علیٰ ہذا اس چیز کا لوٹانا بھی واجب ہے جو کسی سے عاریت لی گئی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطبہ دیا اُس میں یہ بھی فرمایا کہ عاریت یعنی مانگی ہوئی چیز ادا کی جائے، دی ہوئی چیز پھیری جائے۔ قرض ادا کیا جائے اور ضامن ضمانت بھرے اور اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اُس کا حق بخشا ہے۔ پس وارث کیلئے کوئی وصیّت نہیں"۔

راعی اور رعایا ایک دوسرے کے مالی حقوق ادا کرتے رہیں

اور یہ قسم اربابِ حکومت اور رعایا سب کو شامل ہے۔ دونوں پر واجب ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کر دے۔ اسی طرح سلطان اور اس کا نائب اس بات پر مامور ہیں کہ تمام اہلِ حقوق کے عطیے ان کو تفویض کریں۔ اسی طرحِ افسرِ مال اور خزانچی کو لازم ہے کہ جو کچھ سلطان کا حق مقرر ہے اس کو پائی پائی ادا کریں۔ اور رعایا کا فرض ہے کہ وہ افسرانِ مال سے کوئی ایسی چیز طلب نہ کریں جس کے وہ حقدار نہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ اس آیت کے مصداق ٹھہریں گے (ترجمہ) اے پیغمبر! تمہارے منافقوں میں سے بعض افراد ایسے بھی ہیں جو تقسیم اموال میں آپ پر (بے انصافی کا) الزام لگاتے ہیں پھر اگر ان کو اس میں سے (اُن کی خواہش کے مطابق) دیا جائے تو خوش ہیں ورنہ فوراً ہی بگڑ بیٹھتے ہیں اور اگر یہ لوگ اسی قدر مال جو اللہ اور اس کے رسول نے

ان کو دیا تھا بخوشی قبول کر لیتے اور (صحابہ کرام رضؓ کی طرح) کہتے کہ ہم کو اللہ بس کرتا ہے اور اگر اس وقت کم دیا ہے تو آئندہ چل کر اللہ تعالےٰ اپنے کرم سے اور اس کا رسول ہم کو (بہتیرا کچھ) دیں گے اور ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے بیٹھے ہیں تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا۔ زکوٰۃ کا مال تو فقیروں، محتاجوں اور ان اہل کاروں کا حق ہے جو مال زکوٰۃ کی فراہمی پر تعینات ہیں اور ان غیر مسلموں کا جن کی تالیفِ قلوب منظور ہو۔ ان مصارف کے علاوہ مال زکوٰۃ غلاموں کو آزاد کرانے اور قرض داروں کے قرض میں اور خدا کی راہ (یعنی مجاہدین کے ساز و سامان کی فراہمی) میں اور (بے خرچ) مسافروں کی امداد پر خرچ کیا جائے اور یہ حقوق اللہ تعالےٰ کے ٹھہرائے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ علیم و خبیر اور صاحب تدبیر ہے (۹ : ۶۰)

ظالم حکمران کے حقوق بھی واجب الادا ہیں

اگر سلطان و فرمانروا ظالم ہوں تو بھی رعایا کے لئے جائز نہیں کہ ان کے حقوق دبا رکھیں چنانچہ ایک مرتبہ جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حکام کے جور و ظلم کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کے حقوق ادا کرو۔ اللہ تعالےٰ ان سے اس سلوک کے متعلق خود باز پرس کرے گا جو انہوں نے رعایا سے کیا ہو گا۔ اور بخاری و مسلم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو اسرائیل کی عنانِ سیاست فرمانروائی انبیاء علیہم السّلام کے ہاتھ میں تھی۔ جب ایک نبی دنیا سے رحلت فرماتا

تھا تو دوسرا اس کا قائم مقام ہو جاتا تھا۔ لیکن میری بعثت کے بعد کسی کو منصب نبوّت نہ ملے گا۔ البتہ تم میں خلفاء ہونگے اور ان کی تعداد بڑی کثیر ہوگی۔ صحابہ نے التماس کی یا رسول اللہ! پھر آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا پہلی بعیت کا ایفا کرو۔ پھر دوسری کا اور ان کے حق ان کو دو۔ حق تعالےٰ (قیامت کے دن) خود ان سے بازپرس کرلے گا کہ انہوں نے رعایا سے کیسا سلوک کیا۔

بخاری و مسلم نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول الثقلینؐ نے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد انوکھے امور دیکھو گے۔ حاضرین نے گزارش کی یا رسول اللہ تو میرے لئے کیا ارشاد ہے؟ فرمایا تم لوگوں کے حقوق ادا کرتے رہو اور اللہ تعالےٰ سے اپنا حق مانگو۔"

حکام و ملوک اپنی مرضی سے خرچ کرنیکے مجاز نہیں

والیانِ ملک اور افسرانِ مال کے لیئے یہ جائز نہیں کہ اموال کو اپنی خواہشات کے ماتحت اس طرح خرچ کریں جس طرح مالک اپنی ملکیت کی چیز خرچ کرتا ہے۔ وہ بلاشبہ امین اور نائب ہیں اور ہرگز ان کے مالک نہیں ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا! میں ازخود نہ تو کسی کو کچھ دیتا ہوں اور نہ کسی سے روکتا ہوں۔ میں محض تقسیم کرنے والا ہوں۔ وہیں خرچ کرتا ہوں جہاں مجھے اس کا حکم ملتا ہے۔ اس کو بخاری نے ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

یہ رب العالمین کے رسول امین ہیں جنہوں نے یہ حقیقت عالم آشکارا کردی کہ مالکوں کی طرح آپ با اختیار نہیں ہیں جس طرح مالک کو اپنے مال میں ہر طرح کا تصرّف روا ہے۔ اس طرح آپ کو نہیں بلکہ آپ کو دینا یا روکنا حکمِ خداوندی پر موقوف ہے۔ آپ اللہ کے بندے ہیں۔ اسی کے حکم سے مال تقسیم کرتے ہیں اور وہیں خرچ کرتے ہیں جہاں اللہ تعالےٰ کا حکم ہوتا ہے۔

ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا امیر المومنین! کیا اچھّا ہوتا اگر آپ اپنے اُوپر اللہ کا مال خرچ کر کے اپنی روزی کو فراخ کر لیتے۔" آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میری اور ان لوگوں کی مثال ایک جماعت کی سی ہے جو سفر میں تھی۔ انہوں نے تمام رفقائے سفر سے تھوڑا تھوڑا مال لے کر اس غرض سے ایک شخص کے پاس جمع کر دیا کہ وہ حسبِ ضرورت سب پر خرچ کرتا رہے گا۔ کیا اُس شخص کے لئے حلال ہے کہ ان کا مال خرچ کرتے وقت ان پر اپنے آپ کو ترجیح دے؟ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس خمس کا بہت سا مال لایا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک قوم نے اپنی امانت ادا کر دی۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا امیر المومنین! اللہ کی جو امانت آپ کے ذمّے تھی وہ آپ نے ادا کی تو لوگوں نے بھی آپ کی امانت آپ تک پہنچا دی۔ اور اگر آپ بیجا حرص کرتے تو وہ بھی حرص کرنے لگتے۔

والئ ملک بازار کی مانند ہے

پس یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ والئ حکومت بازار کی مانند ہے۔ جن

چیزوں کی وہاں مانگ ہوتی ہے، وہی لائی جاتی ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے فرمایا کہ اگر بازار میں سچائی، نیکی، عدل اور امانت کی مانگ ہو تو یہ چیزیں لائی جائینگی، اگر اس جگہ جھوٹ، فسق و فجور ظلم اور خیانت کا چلن ہو تو وہاں انہی اجناس کی درآمد ہوگی اور حاکم وقت کا فرض ہے کہ وہ حلال ذرائع سے مال حاصل کرے اور اسی جگہ خرچ کرے جہاں خرچ کرنے کا حق ہے اور حق دار کو اس کے واجبی حق سے کبھی محروم نہ رکھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جب اس کی خبر ملتی کہ ان کے کسی عامل نے ظلم کیا ہے تو فرماتے :- الٰہی! میں نے ہرگز ان کو یہ حکم نہیں دیا ہے کہ تیری خلقت پر ظلم کریں۔

شاہی اموال کے اقسام سہ گانہ

اموال سلطانی جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔ ان کی تین قسمیں ہیں۔ غنیمت صدقہ اور فے۔

مالِ غنیمت

غنیمت وہ مال ہے جو کفار سے قتال کے بعد حاصل ہوا ہو۔ رب العالمین نے سورۂ انفال میں جو غزوۂ بدر میں نازل فرمائی تھی اس کا ذکر کیا ہے۔ نفل عربی زبان میں زیادتی کو کہتے ہیں اور انفال اس کی جمع ہے۔ یہ سورت انفال کے نام سے اس لئے موسوم ہوئی کہ یہ اموال المسلمین میں زیادتی کا باعث ہوئی۔ اللہ تعالےٰ نے

فرمایا۔ اے نبی! یہ لوگ تم سے مالِ غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ تم کہو وہ اللہ کا ہے اور اس کے رسولؐ کا (۸ : ۱) اس سے آگے (دسویں پارے کے شروع میں) فرمایا۔ جان رکھو کہ جو کچھ تم (لڑائی میں) لوٹ حاصل کرو، اس کا پانچواں حصہ خدا کا اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور (بے خرچ) مسافروں کا حق ہے (۸ : ۴۱) اس سے آگے چل کر فرمایا۔ جو کچھ تم کو غنیمت سے ہاتھ لگا ہے، اس کو حلال طیب یقین کر کے کھاؤ اور خدا سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالےٰ زبردست اور بانتدبیر ہے (۸ : ۶۹)

پیغمبر علیہ السلام کی پانچ خصوصیتیں

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت جابر عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ایسی پانچ چیزیں عطا ہوئیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ دی گئی تھیں (۱) اللہ تعالےٰ نے میری اس صورت میں بھی عون و نصرت فرمائی کہ مہینہ بھر کی مسافت تک دشمن پر میرا رعب ڈال دیا (۲) تمام زمین میرے (اور میری اُمت کے) لئے سجدہ گاہ اور پاک قرار دی گئی۔ پس میری اُمت میں جس کسی پر نماز کا وقت آجائے وُہ اسی جگہ نماز ادا کر سکتا ہے (پہلی اُمتیں اپنی عبادت گاہوں سے باہر نماز ادا نہ کر سکتی تھیں) (۳) میرے لئے اموالِ غنیمت حلال کئے گئے۔ حالانکہ مجھ سے پیشتر کسی کے لئے حلال نہ تھے (۴) مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی اور (۵) دوسرے تمام انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے لیکن میں ہر زمانے کے ہر

شخص کس لئے معبوث ہوا"۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قیامت کے ساتھ بھیجا گیا یہاں تک کہ لوگ اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی عبادت کرنے لگیں اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے مقرر ہوا اور ذلّت و پستی اُس شخص کے حصّے میں کر دی گئی جو میرے حکم کی مخالفت کرے اور جو کوئی کسی قوم کی مشابہت کرے وُہ اسی قوم کے افراد میں سے ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا۔

غنیمت کے پانچ حصّے

مالِ غنیمت میں واجب ہے کہ اس کے پانچ حصّے کئے جائیں۔ پانچواں حصّہ اُن میں تقسیم کیا جائے جن کا اللہ تعالےٰ نے (آیت ۸ : ۴۱ میں) ذکر فرمایا ہے اور باقی چار حصّے فاتح لشکر میں تقسیم کئے جائیں اور حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرمایا کہ مالِ غنیمت اُن لوگوں کا حق ہے جو غزا میں حاضر رہے ہوں۔ خواہ مقابلہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور واجب ہے کہ مالِ غنیمت اسی طرح انصاف کے ساتھ بانٹا جائے جس طرح نبی کریمؐ اور آپ کے خلفاء عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم کیا کرتے تھے۔ کسی کو اس کی ریاست نسب یا فضیلت کی بنا پر کچھ نہ بخشیں۔ ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے صاحبِ فضیلت کو کم حیثیت آدمی پر ترجیح دی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یاد رکھو کہ تم لوگوں کو اپنے ضعیفوں اور مفلوک الحال لوگوں کی بدولت رزق دیا جاتا اور انہی

کی طفیل تمہیں مدد دی جاتی ہے۔ اور حسب روایت امام احمد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان ہے کہ میں نے التماس کی یا رسول اللہ! ہر انسان اپنی قوم کا حامی و ناصر ہے۔ کیا اپنے ہمقوم کا اور دوسرے شخص کا حصّہ برابر ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم اپنے ضعیفوں کی بدولت رزق نہیں دیئے جاتے اور انہی کی برکت سے تمہاری مدد نہیں کی جاتی؟

بہادروں سے امتیازی سلوک

دولت بنی اُمیہ اور دولت بنی عباس میں جب مسلمان رُوم، ترک اور بربر کے خلاف جہاد کرتے رہے تو مالِ غنیمت برابر فاتحین اسلام میں تقسیم کیا جاتا رہا۔ لیکن امام کے لیئے جائز ہے کہ جب کسی افسر یا سپاہی سے بہادری یا شجاعت کا کوئی کارنامہ ظاہر ہوا ہو مثلاً اس نے دشمنوں کو سخت نقصان پہنچا کر اس کی جمعیت منتشر کر دی ہو یا اعداء کے مضبوط قلعہ پر چڑھ کر اس کو فتح کیا ہو یا دشمن کے اگلے آدمی کو قتل کر کے اعداء کو منہزم کر دیا ہو تو اس کو مالِ غنیمت میں دوسروں سے زیادہ حصّہ دے۔ نبی کریمؐ اور آپ کے خلفاء بہادری دکھانے والوں سے امتیازی سلوک کیا کرتے تھے۔

زائد انعام کی شرط

آپ کا اور آپ کے خلفائے راشدین کا یہ بھی معمول تھا کہ جب کوئی سریہ بھیجا جاتا تو

اُسے شروع میں خمس کی تقسیم کے بعد چوتھائی مال زائد دیا جاتا اور مراجعت پر خمس کے بعد تہائی حصّہ زائد ملتا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ زائد بخشش پانچویں حصّے کے بعد ہے۔ اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ یہ زیادت خمس کے پانچویں حصّے میں سے ہونی چاہیئے تاکہ بعض غازیوں کو دوسروں پر ترجیح لازم نہ آئے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ زیادت خمس کی چوتھائی میں سے ہونی چاہیئے۔ گو اس میں بعض کو بعض پر ترجیح و تفضیل لازم آتی ہے مگر ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ یہ فعل ہوائے نفس کی بناء پر نہیں بلکہ دینی مصلحت کے پیش نظر مرعی ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود ذات برکات نبوی نے بارہا ایسا کیا۔ اور یہ قول فقہائے شام اور امام ابو حنیفہ رح اور امام احمد رح وغیرہم کا ہے اور صرف اس بنا پر کہا گیا ہے کہ ربع اور ثلث تو بشرط اور بلا شرط زیادہ کیا جائے اور اس سے زائد کا انعام شرط کے ساتھ مشروط کر دیا جائے۔ مثلاً فوج میں اعلان کر دیا جائے کہ جو کوئی قلعے کا حال معلوم کر آئے گا اُسے یہ انعام ملے گا یا جو کوئی دشمن سردار کا سر لائے گا اس کا یہ انعام و اکرام ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ثلث سے زیادہ بخشش روا نہیں اور اس کو بھی کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا لازم ہے۔ یہ دونوں اقوال امام احمد وغیرہ کے ہیں اور اسی طرح امام احمد رح کا ایک صحیح قول یہ بھی ہے کہ جو کوئی کسی چیز پر قبضہ کرے، وہ اسی کی ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں کیا تھا۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ کوئی ایسی مصلحت موجود ہو جو اس کے مفسدہ پر ترجیح دینے کی مقتضی ہو۔

مالِ غنیمت میں خیانت

جب امام مالِ غنیمت کو جمع کر کے اس کی تقسیم کرے تو کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس میں کوئی ادنیٰ خیانت کرے۔ رب العالمین عزّ اسمہٗ فرماتا ہے "اور جو کوئی خیانت کا مرتکب ہوگا اور جو چیز خیانت کی ہے قیامت کے دن ربّ قدیر کے روبرو بعینہٖ وہی چیز اس کو لا کر حاضر کرنی ہوگی (۳ : ۱۶۱)

البتہ جب غنیمت کی جمع اور تقسیم پایۂ اختتام تک پہنچ چکی اور امام یعنی سپہ سالار نے فوج کو اذنِ عام کا حکم دے دیا تو اس کے بعد کہیں سے کوئی چیز مل جائے تو اس کے لینے میں مضائقہ نہیں۔ اور ہر وہ امر جو اذن پر دلالت کرے وہ بھی اذن کے حکم میں داخل ہے۔

پیدل کو ایک حصّہ، سوار کو تین

تقسیم میں عدل یہ ہے کہ پیدل کو ایک حصّہ اور سوار کو جس کے پاس عربی گھوڑا ہو تین حصّے دیئے جائیں (سوار کا ایک حصّہ اور گھوڑے کے دو حصّے) فتح خیبر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تقسیم تھی بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ سوار کے دو حصّے ہیں لیکن پہلا مسلک جس پر سنتِ صحیحہ دلالت کرتی ہے صحیح ہے۔ کیونکہ سوار کو نہ صرف اپنی ذات پر خرچ کرنا ہوتا ہے بلکہ اس کے ذمّے سائیس کا بھی خرچ ہے اور دو آدمیوں سے

اتنی منفعت نہیں پہنچ سکتی جس قدر ایک گھوڑے سے فوائد و منافع حاصل ہوتے ہیں۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ دوہرا حصہ پانے میں عربی اور دوغلا گھوڑا برابر ہیں۔ بعض کے نزدیک دوغلے کا ایک اور عربی کے دو حصے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے مروی ہے

لڑائی کیلئے نر گھوڑا اور شبخون کیلئے اصیل

ہمارے اسلاف لڑائی کے لئے نر گھوڑے کو اس کی قوت اور جوش و خروش کی وجہ سے پسند فرماتے تھے اور غارت اور شبخون کے لئے وہ اصیل گھوڑا پسند کیا جاتا تھا جسے عربی زبان میں حجرہ کہتے ہیں اور اس میں یہ وصف ہے کہ ہنہناتا نہیں اور سفر کے لئے خصی گھوڑے کو پسند کرتے تھے کیونکہ وہ لمبے سفر کی تکلیف پر بڑا صابر ہے

مال زکوٰۃ کی تقسیم و حصے بخرے

زکوٰۃ کے حق دار وہ لوگ ہیں جن کا رب قدیر نے اپنی کتاب عزیز میں ذکر فرمایا ہے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ زکوٰۃ کا حقدار کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے زکوٰۃ کے بارہ میں کسی نبی یا غیر نبی کی تقسیم پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس نے اپنی کتاب (قرآن ۹ : ۶۰) میں خود اس کے آٹھ مصرف بتا دیئے ہیں پس اگر تم بھی اُن آٹھ اصناف میں داخل ہو تو میں تمہیں زکوٰۃ دے

سکتا ہوں۔

مستحقین زکوٰۃ کے آٹھ اصناف

وُہ آٹھ قسمیں یہ ہیں (۱) فقرا (۲) مساکین۔ پس غنی یعنی صاحبِ نصاب کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں اور نہ اُس شخص کے لئے زکواۃ خوری جائز ہے جو قوی اور روزی کمانے کی طاقت رکھتا ہو (۳) اہل کار جو زکواۃ وصول کرنے پر تعینات ہیں اور منشی اور خازن جو مالِ زکواۃ کی حفاظت کرتے ہیں (۴) وہ لوگ جن کی تالیف قلوب منظور ہو۔ ان کے متعلق انشاء اللہ تعالےٰ مالِ فئے کی بحث میں لکھا جائیگا۔ ان کے علاوہ ان مصارف میں زکواۃ خرچ کی جائے (۵) قیدی چھڑانے میں۔ اس میں مکاتب بھی داخل ہیں۔ مکاتب اُس غلام کو کہتے ہیں جس کو آقا نے لکھ دیا ہو کہ جب تم اتنی رقم ادا کر دو گے تو تم آزاد ہو۔ قیدیوں کا فدیہ ادا کر کے انہیں قید غلامی سے آزاد کرانا بھی اسی میں داخل ہے (۶) قرض داروں کے قرضے میں۔ یہ وُہ لوگ ہیں جنہیں ادائے قرض کی استطاعت نہیں۔ انہیں مالِ زکواۃ سے اتنا دے دینا جائز ہے جس سے وہ بارِ قرض سے سبک دوش ہو سکیں لیکن اگر وہ معصیت الٰہی میں مقروض ہوئے ہوں تو اُنہیں اس وقت تک دینا جائز نہیں جب تک تائب نہ ہو جائیں (۷) فی سبیل اللہ یعنی مجاہدین فی سبیل اللہ کی امداد میں۔ یہ وُہ غازی ہیں جن کے پاس اتنا مال نہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔ یا کچھ بھی مال نہیں جس سے سواری،

اسلحہ، نفقہ اور اُجرت کا انتظام کر سکیں۔ فی سبیل اللہ میں حج فی سبیل اللہ بھی داخل ہے جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (۸) اور مسافر جو بے خرچ ہو۔

مالِ فے

فے کی اصل وُہ ہے جس کا اللہ تعالےٰ نے سورۂ حشر میں جو غزوۂ بنو نضیر کے موقع پر نازل ہوئی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا (ترجمہ) اور جو مال خدا نے اپنے رسول کو (بے لڑے) ان سے دلوایا تو تم نے اس کے لئے کچھ دوڑ دھوپ نہیں کی، نہ گھوڑوں سے اور نہ اونٹوں سے مگر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلّط کر دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو مال اللہ اپنے رسول کو ان بستیوں کے لوگوں سے دلوائے تو وہ اللہ کا (حق) ہے۔ اور رسول کا اور (رسول کے) قرابت داروں[ؑ] کا اور یتیموں اور محتاجوں کا اور (بے توشہ) مسافروں کا۔ یہ حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ جو لوگ تم میں مالدار ہیں، یہ مال انہی میں دائر سائر نہ رہے۔ اور مسلمانو! تم کو رسول جو کچھ دیں وُہ لے لیا کرو اور جس سے تم کو منع کریں اُس سے دست کش رہو اور اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے۔

ؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء نے آغازِ اسلام میں سالہا سال تک کفار قریش کے ہاتھوں سے بڑے بڑے دکھ اٹھائے مگر آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اس لئے حق تعالےٰ نے ازراہ قدر شناسی ان کا یہ حصّہ مقرر فرما دیا (مترجم)

اُمّتِ مرحومہ کے تین طبقے

اس کے بعد رب العالمین فرماتا ہے کہ وہ مال جو بے لڑے ہاتھ لگا ہے (منجملہ اور حقداروں کے) اُن مہاجروں کا بھی حق ہے جو (کفارِ قریش کے ظلم سے) اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیئے گئے اور اب وہ خدا کے فضل کے طلب گار ہیں۔ خدا اور اس کے رسول کی مدد کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہی تو سچے (اور پکے مسلمان) ہیں اور وہ مال جو بے لڑے ہاتھ آیا ہے، اس میں ان کا بھی حق ہے جو پہلے سے دارالہجرت (مدینہ) میں قیام پذیر ہیں اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور جو کوئی ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے۔ اس سے محبت رکھتے ہیں اور جو کچھ مہاجروں کو ملتا ہے اپنے دل میں اُس کی کوئی طلب نہیں پاتے اور اپنے اُوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو مگر (اپنے مہاجر بھائیوں کو) اپنے سے مقدّم رکھتے ہیں اور جو کوئی اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے اور جو مال بے لڑے ہاتھ آیا ہے اس میں ان کا بھی حق ہے جو ان سے پیچھے آئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو پہلے مسلمانوں کے حق میں دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں مومنوں کی طرف سے کسی طرح کا کینہ نہ آنے دے۔ اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت رکھنے والا مہربان ہے (۵۹: ۶-۱۰)

تیسری قسم میں ہر وُہ مومن داخل ہے جو صحابہ کا دعا گو ہو۔ حق تعالےٰ نے متذکرۂ صدر آیات میں حضرات مہاجرین، انصار اور بعد میں آنے والوں کی مدح و توصیف فرمائی ہے پس تیسری قسم میں ہر وُہ مومن داخل ہے جو اس حالت پر قیامت تک عرصۂ شہود میں آئیگا جس طرح وُہ اسی ارشاد خداوندی میں داخل ہے :۔ اور جو لوگ اس کے بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا پس وُہ تم ہی میں سے ہیں"۔ اور اس قول خداوندی میں :۔ اور وُہ لوگ جو خلوصِ دل سے مہاجرین و انصار کے بعد داخل ایمان ہوئے (۹ : ۱۰) اور اس آیت میں :۔ اور ان لوگوں کی طرف بھی بھیجا ہے جو ابھی تک ان (عرب کے مسلمانوں) میں شامل نہیں ہوتے (مگر انجام کار ان میں آملیں گے) اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے (۶۲ : ۳)

فئے کی وجۂ تسمیہ

اس قول باری تعالےٰ کے معنیٰ کہ تم نے گھوڑے یا اونٹ نہیں دوڑائے یہ ہے کہ تم نے کوئی جنبش و حرکت نہیں کی اسی بنا پر فقہا نے فرمایا ہے کہ فئے وہ مال ہے جو کفار سے لڑے بغیر حاصل ہوا ہو اور اس کو فئے اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو کافروں کی طرف سے مومنوں پر لوٹا دیا کیونکہ اصل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے زر و مال اپنے بندوں کی اعانت کے لئے پیدا کیا ہے۔ بدیں وجہ کہ اس ذات برتر نے مخلوق کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے اور کافر لوگ نہ تو خود

اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے ہیں اور نہ اپنا مال اس کے مومن بندوں پر جو اس ذات برتر کے عبادت گزار ہیں خرچ کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالےٰ کافروں کا مال مومنوں کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ جس طرح میراث کا مغصوبہ مال اس کے مالک کو واپس دیا جاتا ہے اگرچہ اس نے اس سے پیشتر اس پر قبضہ نہ کیا ہو۔ اور یہ فے جزیہ کی مانند ہے جو یہود و نصاریٰ سے وصول کیا جاتا ہے یا اس مال کی مانند ہے جس پر دشمن مسلمانوں سے مصالحت کرتا ہے یا کفار کی حکومت سلطانِ اسلام کو کوئی ہدیہ بھیجتی ہے جیسے وہ مال جو بلاد نصاریٰ سے دارالاسلام میں لایا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں وہ مال بھی داخل ہے جو اہلِ حرب کے تجار سے دسواں حصہ وصول کیا جاتا ہے۔ یا ذمی تاجروں سے جب وہ دوسرے شہروں سے تجارت کرتے ہیں تو نصف عشر لیا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح وصول کرتے تھے اور جو کفار کے نقضِ عہد کے بعد ان سے حاصل ہوا ہو اور وہ خراج جو ابتدا میں ان پر مقرر کیا گیا تھا اگرچہ اس کا کچھ حصہ بعض مسلمانوں کے ذمے واجب الادا رہ گیا ہو تو یہ سب اموال فے سمیت بیت المال میں جمع کیے جائیں اسی طرح وہ اموال بھی جن کا کوئی معین مالک نہ ہو مثلاً کوئی مسلمان مر جائے اور اس کا کوئی معین وارث نہ ہو یا غصب کے مال یا عاریت لی ہوئی رقمیں یا وہ امانتیں جن کے مالک مفقود الخبر ہوں۔ اسی طرح مسلمانوں کی تمام منقولہ و غیر منقولہ جائیدادیں بھی بیت المال کے قبضہ میں دی جائیں جن کے مالک مفقود الخبر ہوں۔

ایسے شخص کو میراث دینا جس سے متوفی کا کوئی نسبی تعلق نہ ہو

اللہ تعالےٰ نے قرآن میں صرف فئے کا ذکر کیا ہے کیونکہ عہد نبوی میں جو مسلمان بھی مرتا تھا ظہور انساب کی وجہ سے اُس کا کوئی نہ کوئی معیّن وارث موجود ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک قبیلے کا ایک شخص مر گیا۔ آپ نے اس قبیلے کے سب سے بڑے آدمی کو جو نسب میں میّت کو سب سے قریب تھا میراث دے دی۔ امام احمدؒ اور علماء کے ایک گروہ نے ایسا ہی کہا ہے۔ ایک شخص مر گیا۔ ایک آزاد شدہ غلام کے سوا اس کا کوئی وارث نہ تھا۔ میراث اسی عتیق کو دی گئی۔ امام احمدؒ کے شاگردوں میں ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی میراث اس کے گاؤں کے ایک شخص کو عطا فرما دی تھی۔ الغرض رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء میّت کی میراث ایسے شخص کو دینے میں بڑی وسعت سے کام لیتے تھے جس سے مرنے والے کا نسبی تعلّق ہوتا تھا اور مسلمانوں سے زکوٰۃ مفروضہ کے سوا اور کچھ وصول نہ کرتے تھے۔ اور اہل ایمان کو حکم دیتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں جو حکم دیا ہے اس کے ماتحت اپنی جانوں اور مالوں سے فی سبیل اللہ جہاد کریں۔ زمانۂ نبوی اور عہد صدیقی میں نہ کوئی خزانہ تھا اور نہ کوئی حساب کتاب رکھّا جاتا تھا بلکہ جو کچھ خراج، غنیمت یا زکوٰۃ کا مال آتا تھا اسی وقت مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں جب اموال کی کثرت ہوئی اور اسلامی فتوحات نے بھی

بڑی وسعت اختیار کی اور مسلمانوں کی تعداد بھی حدِ شمار سے بڑھ چلی تو آپ نے بیت المال اور دفتر قائم کئے۔ جن میں دفترِ فوج، دفترِ خراج اور دفترِ فے، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں اور پھر مسلمانوں کے تمام دفاتر میں دیوان الجیش یعنی دفترِ فوج میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ یہ دفاتر صرف دارالخلافہ مدینہ منورہ میں قائم نہ کئے گئے بلکہ تمام بڑے بڑے شہروں میں کھول دیئے گئے۔

اموال المسلمین کی سہ گانہ تقسیم

حضور سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء ان عمّال کا جو زکوٰۃ، فے اور دوسرے محکموں پر متعیّن تھے برابر حساب لیا کرتے تھے۔ پس اس زمانہ میں اور اس سے ماقبل اموال المسلمین تین اقسام پر منقسم ہو گئے۔ ایک قسم وہ ہے کہ امام کتاب و سنت اور اجماع کے رو سے جس کے لینے کا مستحق ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ دوسری قسم وہ ہے جس کا لینا بالاجماع حرام ہے۔ جیسے وہ جرمانہ جو کسی شخص کے قتل پر گاؤں والوں سے اس کے وارث کی موجودگی میں وصول کیا جاتا ہے۔ یا جیسے کوئی شخص ایسے جرم کا ارتکاب کرے جس پر حدِ شرعی لازم آتی ہو اور حاکم حد جاری کرنے کی بجائے اس سے بیت المال کے لئے کچھ رقم وصول کرلے۔ تیسری وہ ہے جو علماء میں مختلف فیہ ہے مثلاً اس شخص کا مال جس کا ذورحم تو موجود ہو لیکن ذی فرض اور عصبہ نہ ہو اسی طرح کے بعض دوسرے مسائل۔

راعی و رعایا دونوں کے ظلم و زیادتی کی مثالیں

بسا اوقات حکّام اور رعیّت دونوں ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حکام وہ وصول کرتے ہیں جس کا لینا ان کے لئے حلال نہیں اور رعیّت اس رقم کے دینے سے انکار کرتی ہے جس کا ادا کرنا اس پر واجب ہوتا ہے۔ جیسے لشکر اہلِ دیہات سے کوئی چیز جبراً وصول کرتا ہے۔ یا کبھی کاشتکار سرکاری واجبات کی ادائگی سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس طرح بعض دفعہ حکّام ایسے شخص کو جہاد کی شرکت سے مستثنیٰ کر دیتے ہیں۔ جس پر جہاد واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض حکّام اللہ کے مال کو بے دریغ اور سخت بے دردی کے ساتھ اُڑاتے ہیں حالانکہ ایسا کرنا حرام ہے۔

عقوبت سے باز رہنے میں حکّام کی کوتاہی

حکّام کی ایک کوتاہی یہ ہے کہ مال ادا نہ کرنے پر جہاں سزا دہی کا حکم ہے، وہاں عقوبت سے باز رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ عقوبت بعض صورتوں میں مباح اور بعض میں واجب ہے اور بعض اوقات اس طرح سزا دیتے ہیں جو جائز نہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب کسی کے ذمے کسی کی کوئی رقم یا کوئی اور چیز واجب الادا ہو تو اس رقم یا چیز کا ادا کرنا واجب ہے۔ مثلاً کسی کی امانت یا مضاربت کے نفع کی رقم ہو یا اسلحہ ہوں یا مالِ یتیم یا بیت المال کی رقم یا مالِ وقف ہو یا اس کے ذمے کسی کا

قرض ہو اور اس کے ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ تو اس قسم کی تمام صورتوں میں وہ سزا دعقوبت کا مستحق ہے۔ یہاں تک کہ ملزم مال پیش کر دے یا اس کا نشان بتا دے اور اگر قید کرنے سے مدعی کی حق رسی کر دے تو پھر اس کے مارنے پیٹنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر نہ تو اپنے مال کی نشان دہی کرتا ہے اور نہ ادائیگی کی قدرت رکھتے ہوئے دوسرے کا حق بخوشی ادا کرتا ہے تو اسے پیٹا جائے۔ یہاں تک کہ حق رسی کر دے۔

قرض ادا نہ کرنیوالے مستطیع کی بے عزتی

اسی طرح اگر کسی کا نفقہ جو اس پر واجب ہے قدرت کے باوجود دینے سے گریز کرے تو پیٹا جائے۔ چنانچہ عمر بن شرید رضؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قدرت رکھنے والا کسی کا حق ادا نہ کرے تو اس کو بے آبرو کرنا اور اس کی عقوبت جائز ہے۔ اس حدیث کو اہلِ سُننؒ نے روایت کیا ہے اور نبی کریمؐ نے فرمایا کہ مال دار آدمی کا (کسی کا حق ادا کرنے) میں لیت ولعل کرنا ظلم ہے۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں اور ظالم عقوبت و تعزیر کا مستحق ہے اگر اس کی عقوبت شریعت میں مقرر نہ ہو تو حاکم وقت اس پر غور وفکر کرے پس مالدار کو جو کسی کا حق ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتا ہے اس کو قید کرے اور اگر پھر بھی ہٹ سے باز نہ آئے تو اس کو مار پیٹ کی سزا دے۔ یہاں تک کہ لوگوں کے

حقوق ادا کر دے۔ مالکی، شافعی اور حنبلی اور دوسرے فقہا رضی اللہ عنہم اس پر متفق ہیں اور میں نہیں جانتا کہ اس میں کسی نے خلاف کیا ہو

ایسی بات کے چھپانے کا جرم جس کا اظہار واجب ہے

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ فتح خیبر کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حئی بن اخطب کے چچا سے ایک بات دریافت کی۔ اس نے غلط بیانی کر کے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ آخر اس پر سختی کی گئی تو اس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا۔

عمّال کا ہدیہ خیانت ہے

پس ہر اُس شخص پر جو ایسی بات کو چھپائے جس کا اظہار واجب ہو۔ ترکِ واجب کے باعث سختی کی جائے گی۔ اور جو کچھ محکمہ مال کے افسر یا دوسرے اہل کار حق کے بغیر مسلمانوں کا مال لیں عادل فرمانروا کا فرض ہے کہ ان سے برآمد کر کے واپس کرے۔ جیسے ہدیے اور نذرانے جو اپنے عمل و تسلّط سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر وصول کئے جاتے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا ہے کہ عمّال کا ہدیہ غلول یعنی خیانت ہے۔ اور ابراہیم حربی نے کتاب الہدایا میں ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُمرا (یعنی حکام) کے ہدایا عمّال کی خیانت

ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابو حمید ساعدی رضی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ ازد کے ایک شخص کو جسے ابن اللتبیہ کہتے تھے زکوٰۃ کا عامل مقرر فرمایا۔ جب وہ مال زکوٰۃ وصول کر کے واپس آیا تو بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! یہ تو آپ کا ہے اور یہ چیز مجھ کو ہدیۃً ملی ہے" یہ سن کر آپ نے فرمایا اگر یہ شخص اپنے باپ یا ماں کے گھر میں بیٹھا رہتا تو پھر دیکھا جاتا کہ اس شخص نے اس کو پھر بھی ہدیہ بھیجا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھے اسی ذاتِ برتر کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جو کوئی اس طرح کی کوئی چیز کسی سے قبول کرے، وہ چیز بجنسہٖ لائی جائیگی اور اس کی گردن پر سوار کی جائیگی، مثلاً اگر اونٹ یا گائے یا بکری ہو گی تو یہ سب آواز کر رہے ہونگے۔" یہ فرما کر آپ نے اپنے دونوں دستِ مبارک اوپر کو اٹھائے یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی اور تین مرتبہ فرمایا۔ الٰہی میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔"

جب امام اور رعیّت دونوں کی حالت متغیر ہو جائے تو ہر انسان پر واجب ہے کہ واجب میں سے اتنے حصّے پر عمل پیرا ہو جس کی وہ قدرت رکھتا ہے۔ اور اس میں سے دست بردار ہو جائے جو اس پر حرام ہے اور وہ فعل قطعاً حرام نہیں جس کو اللہ تعالےٰ نے بندے کے لئے مباح کر دیا ہے۔

حکّام کا رعایا سے ہدیے اور نذرانے وصول کرنا

والیانِ حکومت سے ہر ایک اس آزمائش میں پڑا ہوا ہے کہ ہدیہ وغیرہ قسم کی چیزوں سے کون دست بردار رہتا ہے اور کون نہیں؟ اگر وہ اس سے باز نہ آئیں تو ان کے مظالم کی فردِ مکمل ہو جائے گی۔ اللہ تعالےٰ نے حکّام پر رعایا کی نفسانی حوائج کو واجب کر دیا ہے لیکن اگر وہ رعایا کی مشکلات دور کرنے اور حاجات بر لانے کی بجائے الٹا اس سے ہدیے اور نذرانے وصول کریں تو وہ آخرت کے بدلے دنیا کے خریدار ہونگے۔ واجب یہ ہے کہ رعایا کو حتی الامکان ہر طرح کے ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھا جائے اور ان کی حاجات پوری کی جائیں۔ اس کی یہ صورت ہے کہ سلطان اور دوسرے حکّام کے پاس ان کی سفارش کی جائے۔ ان کی حاجتیں پیش کی جائیں اور مصالح ظاہر کیے جائیں۔

حکّام کے پاس سفارش کرنے کا حکم

ہند بن ابی ہالہؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ مجھ تک اپنی حاجتیں پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے ان کی حاجتیں اور ضرورتیں میرے سامنے پیش کیا کرو اور جو کوئی غیر مستطیع اہل حاجات کی ضرورتیں حکّام تک پہنچائے گا اللہ تعالےٰ اس کے قدم پل صراط پر اس دن جب کہ لوگ

کے قدم لڑکھڑاتے ہونگے ثابت قائم رکھے گا۔

سفارش کرنیوالے کے پاس ہدیہ بھیجنے کی ممانعت

امام احمد نے مسند میں اور ابوداؤد نے سنن میں ابو امامہ باہلی رضؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے اپنے کسی مسلمان بھائی کی سفارش کی اور اس نے سفارش کرنے والے کے پاس کوئی ہدیہ بھیجا اور موخر الذکر نے قبول کر لیا تو وہ ربا یعنی سود کے بہت بڑے دروازے میں داخل ہوا۔ اور ابراہیم حرزی نے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ فرماتے تھے کہ سحت یعنی حرام یہ ہے کہ ایک شخص کسی حاجت روائی میں کوشاں ہو اور وہ اس کے پاس کوئی ہدیہ بھیجے اور مقدم الذکر اس کو قبول کرلے۔ اسی طرح مروی ہے کہ مسروق تابعی رحؒ نے عبیداللہ بن زیاد کے پاس جس نے کسی کا مال چھین لیا تھا۔ سفارش کی۔ ابن زیاد نے وہ مال واپس کر دیا مظلوم نے مسروق رحؒ کے پاس ایک غلام ہدیتہً بھیجا مسروق رحؒ نے اس کو لوٹا دیا اور کہا میں نے عبداللہ بن مسعود رضؓ کو یہ کہتے سنا تھا کہ جس نے کسی مسلمان کی دادخواہی کی اور اس نے اس کی طرف سے کوئی قلیل یا کثیر ہدیہ قبول کیا تو اس نے حرام فعل کا ارتکاب کیا۔ میں نے پوچھا اے ابو عبدالرحمٰن! ہم تو صرف رشوت کو حرام سمجھتے تھے۔ فرمایا یہ تو کفر ہے لیکن جب کوئی شخص والیٔ حکومت ہو اور وہ اپنے عاملوں سے ایسی چیز حاصل کرے جس

کے متعلق اس کی یہ خواہش ہو کہ اس سے وُہ اور اس کی قوم مخصوص رہے تو ان میں سے کسی کی مدد نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ دونوں ظالم ہیں اور اس چور کی مانند ہیں جس نے دوسرے چور کی چیز چرائی۔ یا ان دو گروہوں کے مشابہ ہیں جنہوں نے عصبیت اور ریاست کے لئے باہم مقاتلہ کیا اور کسی کیلئے یہ جائز نہیں کہ وُہ ظلم کرنے میں کسی کا مددگار رہو۔

تعاون کی دو قسمیں

تعاون کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تعاون علی البر یعنی نیکی اور تقویٰ کے کام میں کسی کا مددگار ہونا جیسے جہاد، اقامتِ حدود، کسی کی حق رسی، مستحقین کو کچھ دینا وغیرِ ذالک۔ یہ وُہ امداد ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے جو شخص ان مواقع میں اعانت کرنے سے ہاتھ روکے گا وُہ فرضِ عین یا فرضِ کفایہ کا تارک ہو گا۔ بعض لوگ سُستی اور کاہلی کے باعث بھی تعاون علی البر سے دست بردار رہتے ہیں اور باوجود اس کے اپنے آپ کو متقی اور پارسا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اعراض و اجتناب بزدلی کی ایک قسم ہے۔

دوسری قسم گناہ اور عدوان کے کام میں کسی کی امداد کرنا ہے۔ مثلاً کسی کے خونِ ناحق یا مال چھیننے میں یا ایسے شخص کے زدوکوب میں مدد کرنا جو اس کا مستحق نہیں یہ وُہ امداد ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے قطعاً حرام کیا ہے۔ ہاں

جب اموالِ حق کے بغیر لئے گئے ہوں اور ان کا مالکوں تک لوٹانا مشکل ہو جیسے بعض سرکاری محاصل و مداخل، تو ان کو سرحدوں کے استحکام یا مجاہدین کی ضروریات کی تکمیل وغیرہ اسلامی مفاد پر خرچ کرنا بھی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں مدد کرنا ہے کیونکہ ان اموال کے متعلق سلطان پر واجب ہے کہ جب اُن کے مالک کسی طرح معلوم نہ ہو سکیں تو ان کو اسلامی ضروریات پر صرف کر دے اور اگر کوئی مال ظلم اور حرام ذرائع سے کمایا گیا ہو تو ظالم کے وارثوں کے لئے جائز نہیں کہ اس مالِ حرام کو اسلامی مفاد پر خرچ کریں اگرچہ ظلم کرنے والا توبہ کر چکا ہو۔ لیکن یاد رہے کہ ہر کام انسانی قدرت و استطاعت پر موقوف ہے کیونکہ شریعت کا مدار، باری تعالیٰ کے ارشاد:- جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو (۱۶:۶۴) اور حاملِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر ہے جو بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے کہ جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک تمہارے امکان میں ہو اس کی تعمیل کرو۔"

اور آیت و حدیث کے بعد شریعت کا مدار اس حقیقت پر بھی ہے کہ مصالح کی تحصیل و تکمیل اور مفاسد کی تردید و تعطیل واجب ہے اور جہاں کہیں تحصیل و تعطیل میں تعارض ہو وہاں ان دونوں میں سے جو چیز ادنیٰ ہو اس کو مسترد کر کے اس چیز کو اختیار کیا جائے جس کی مصلحت عظیم تر ہو کیونکہ چھوٹے کے مقابلہ میں بڑے مفسدہ کا دفعیہ ضروری ہے۔

گناہ کے کام میں مدد دینے والا

گناہ اور عدوان میں مدد کرنے والا وہ ہے جو کسی ظالم کی اُس کے ظلم میں مدد کرے۔ لیکن جو شخص ظلم کی تخفیف میں یا ظلم سے حاصل کی ہوئی چیز کے واپس کرانے میں مظلوم کی اعانت کرے، وہ ظالم کا معاون نہیں بلکہ مظلوم کا وکیل ہے ایسا شخص اُس آدمی کی مانند ہے جو اسے قرض دیتا ہے۔ یا مثلاً جب کوئی ظالم کسی یتیم کے ولی یا وقف کے متولی سے مال کا ناجائز مطالبہ کرے تو وُہ کوشش کرے کہ ظالم اس چیرہ دستی سے باز آجائے اور اگر بحالتِ مجبوری کچھ دینا پڑے تو حتی الامکان کم سے کم مقدار میں دے۔ پس ایسا شخص محسن ہے اور محسن پر کسی حالت میں کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

مالِ فئے کے مصارف

اب سوال یہ ہے کہ مالِ فئے کے مصارف کیا ہیں؟ معلوم ہو کہ مسلمانوں کے مفاد و مصالح کے پیشِ نظر تقسیم کا آغاز اہم جماعت سے کرنا واجب ہے۔ اس کے بعد اُس جماعت سے جو اہمیت میں دوسرے درجہ پر ہو علیٰ ہذا القیاس درجہ بدرجہ مالِ فئے تقسیم کیا جائے۔

منفعتِ عامہ کے لحاظ سے مسلمانوں کی اہم ترین جماعت اسلامی لشکر ہے

یہی لوگ اہلِ نصرت و جہاد اور دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ فئے کے حقدار ہیں
کیونکہ غنیمت یا فئے جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے انہی کے طفیل حاصل ہوتا ہے
یہاں تک کہ فقہاء اس بارہ میں مختلف الرائے ہیں کہ مالِ فئے اسلامی سپاہ کے
ساتھ مختص ہے یا تمام اسلامی مصالح میں مشترک ہے؟ لیکن ظاہر ہے فئے کو
چھوڑ کر دوسرے سرکاری اموال تمام اسلامی ضروریات کے لئے ہیں بجز اُس
صُورت کے کہ کوئی نوع کسی مصرف کے ساتھ مخصوص ہو جیسے مالِ زکوٰۃ اور غنیمت
ان کے مستحق عُمّال، قضاۃ، علماء، مالِ زکوٰۃ کے جمع اور تقسیم کرنے والے اور ان
کے حفاظت کرنے والے ہیں۔ ان کے علاوہ نماز کے پیش امام اور مؤذن وغیرہ
اسی طرح ایک مصرف ایسے کاموں کی قیمتوں اور اُجرتوں پر خرچ کرنا ہے جن کا
نفع عام ہو جیسے گھوڑوں اور ہتھیاروں سے سرحدوں کو مضبوط کرنا یا ایسی تعمیرات
جن کی ضرورت عام ہو جیسے پُل، نہریں وغیرہ۔

ذوی الحاجات سب سے زیادہ مستحق ہیں

محتاج لوگ بھی مستحقین کے زمرہ میں داخل ہیں۔ اس بارہ میں علماء باہم مختلف ہیں
کہ فئے کے صدقات وغیرہ میں محتاج لوگ مقدم ہیں یا نہیں؟ امام احمد حنبل اور
دوسرے فقہا کے نزدیک اس کے متعلق دو قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ محتاج لوگ
سب سے مقدم ہیں، بعض کہتے ہیں کہ مال کا استحقاق اسلام کے ساتھ ہے۔ اس لئے

تمام مسلمان اس میں اسی طرح شریک ہیں جیسے میراث وارثوں میں مشترک ہوتی ہے اور صحیح یہ ہے کہ محتاج سب سے مقدّم ہیں کیونکہ حضور سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم ذوی الحاجات کو سب پر مقدّم رکھتے تھے۔ چنانچہ بنو نضیر کے مال میں سے آپ نے سب سے پہلے انہی لوگوں پر خرچ کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مستحقین کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اوّل سابقینِ اسلام دوسرے عمالِ حکومت اور علماء جو خلقِ خدا کے لئے دنیاوی اور دینی منافع بہم پہنچاتے ہیں تیسرے مجاہدین فی سبیل اللہ جن کی بدولت مسلمان اچھے انعام (یعنی فتح و نصرت) سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ چوتھے حاجتمند لوگ۔

یاد رہے کہ عطاء آدمی کی منفعت اور حاجت کے مطابق ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ کوئی شخص اس کا حق دار نہیں۔ سوائے ان کے جو غنیمت یا میراث میں شریک ہوں اور امام کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنی ہوائے نفس کے ماتحت قرابت یا دوستی کی بناء پر کسی غیر مستحق کو کچھ دے چہ جائیکہ کسی ایسے شخص کو دیا جائے جس سے کسی فعل حرام کو مدد ملے۔ جیسے رنڈیوں، مخنثّوں، ہیجڑوں، بھانڈوں، رمّالوں اختر شناسوں وغیرہ قسم کے لوگوں کو دینا۔

مؤلفۃ القلوب کی امداد

البتہ ایسے لوگوں کو دینا جائز بلکہ واجب ہے جن کی تالیف قلب کی ضرورت ہو۔ چنانچہ

رب قدیر نے اپنے کلام پاک (۹ : ۶۰) میں مال زکوٰۃ سے ایسے لوگوں کی امداد کا ذکر فرمایا ہے جن کے دل مٹھی میں لینا منظور ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی قبائل کے سرداروں کی تالیف قلوب کے لئے غنے وغیرہ میں سے عطیات دیا کرتے تھے چنانچہ آپ نے قبیلہ بنو تمیم کے سردار اقرع بن حابس کو، بنو فزارہ کے سردار عیینہ بن حصین کو، بنو نبہان کے سردار زید الخیل طائی کو، بنو کلاب کے سردار علقمہ بن علاثہ عامری کو، اپنے عطیات سے نوازا۔ اسی طرح صفوان بن اُمیہ، عکرمہ بن ابی جہل۔ ابو سفیان بن حرب، سہیل بن عمرو، حرث بن ہشام اور قریش کے دوسرے کثیر التعداد اعیان و عمائد کو اپنی فیض گستری سے خوش دل فرمایا۔

اور صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی سے مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے یمن سے کچھ سونا جو مٹی سے مخلوط تھا حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ آپ نے وہ سونا ان چار آدمیوں اقرع بن حابس حنظلی، عُیینہ بن حصین فزاری، علقمہ بن علاثہ عامری، اور زید الخیل طائی میں جو ابھی نئے نئے مشرف باسلام ہوئے تھے بانٹ دیا۔ یہ امر قریشی صحابہ اور انصار پر شاق گزرا۔ وہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! آپ نے سب کچھ نجدی سرداروں کو دے دیا اور ہم لوگوں کو نظر انداز فرما دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے ان کی تالیف قلوب کے لئے ایسا کیا ہے۔" اتنے میں ایک شخص بڑھا جس کو ذوالخویصرہ کہتے تھے اور جس کی آنکھیں اندر کو گھسی ہوئی، اونچی پیشانی اور گھنی داڑھی تھی رخسار

اُٹھے ہوئے اور منڈا ہوا سر تھا، آگے بڑھا اور بولا محمدؐ! اللہ سے ڈر"

یہ سُن کر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو پھر روئے زمین پر کون ہے جو اس کی اطاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اہلِ زمین میں امین جانتا ہے لیکن تم مجھے ایسا گمان نہیں کرتے" صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایک صاحب (حضرت عمر فاروق یا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما میں سے کسی) نے التماس کی یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو تو اس کو قتل کر دوں؟ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کے اصل سے ایک قوم پیدا ہوگی جس کے افراد قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلقوم سے تجاوز نہ کرے گا۔ (یعنی دلوں پر اس کا اثر نہ ہوگا) وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے وہ اہلِ اسلام کو تو قتل کریں گے مگر بُت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر میں اُن کو پاؤں تو ان کو قوم عاد کی طرح ہلاک کر دوں (یعنی ان کو بالکل مٹا ڈالوں اور بے نشان کر دوں)

اسی طرح رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان بن حرب، صفوان بن اُمیّہ، عُیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو سو سو اونٹ عطا فرمائے لیکن عباس بن مرداس نامی ایک شخص کو کچھ کم دیئے عباس بن مرداس نے فی البدیہہ چند اشعار کہے جن کا ترجمہ یہ ہے "کیا آپ میری اور قریش کی لوٹ عُیینہ اور اقرع کو دیتے ہیں؟ (ان دونوں کے باپ) حصن

اور حابس نے (میرے باپ) مرداس کو کبھی مغلوب نہ کیا تھا اور میں خود بھی ان دونوں سے کبھی ہیٹا نہیں رہا۔ اور حالت یہ ہے کہ جو آج کے دن پست ہوا وہ کبھی سر بلند نہ ہوگا" (اس عرضداشت پر) مخدوم عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس کو بھی سو اونٹ عطا کرنے کا حکم دیا (مسلم)

غیر مسلم کی تالیفِ قلب کا مقصد

مولفۃ القلوب یعنی جن کے دل مٹھی میں لینے کی کوشش کی جاتی ہے دو طرح کے ہیں۔ کافر اور مسلمان۔ کافر کی تالیفِ قلب کا مقصد یا تو اس کی وحشت دور کرنا یا اس کی مضرت رفع کرنا ہے لیکن اس کے جواز کی یہ شرط ہے کہ اس طریق کار کے سوا تمام راہیں مسدود ہو جائیں۔ اور عطا کی یہ قسم اگرچہ بظاہر ملوک و رؤسا کی سی عطا و بخشش ہے جو نادار اور مفلوک الحال لوگوں کو نظر انداز کر کے غیر مستحقوں کو دیتے ہیں لیکن عملوں کا مدار نیتوں پر ہے جب اس سے دین کی کوئی مصلحت مقصود ہو اور اہل عطا اس قسم کے لوگ ہوں جیسے وہ لوگ جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء نے اپنی داد و دہش سے نوازا تو یہ مقصد محمود ہے۔

اور اگر اس عطا و بخشش سے گھمنڈ اور بڑائی یا فتنہ و فساد منظور ہو تو یہ عطیہ فرعون کی داد و دہش کے مشابہ ہوگا۔ مولفۃ القلوب کے عطیہ کے جواز سے وہ لوگ منکر ہیں جن کے دین میں فساد ہے۔ یہ بد مذہب انہی گم گشتگانِ راہ کی حیثیت

رکھتے ہیں جنہوں نے حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جُود وسخا پر اعتراض کیا تھا۔ یا ان لوگوں کے مشابہ ہیں جو جنگ صفّین کے موقع پر تحکیم قبول کرنے کی وجہ سے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضؓ پر معترض ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے خلاف غزا وجہاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ ان کا دین فاسد تھا اور وہ اپنی دنیا اور عاقبت دونوں برباد کر چکے تھے۔

دو بدترین خصلتیں

بسا اوقات ورعِ فاسد، بزدلی یا بخل کا ہمرنگ ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں میں اجتناب واعراض ہے۔ نام نہاد پرہیزگار اپنے بخل اور دُون ہمتی سے جہاد اور نفقہ کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور اپنے زعمِ ناقص میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ ترکِ فساد ہے اور اس سے خدا لئے برتر خوش ہے کہ یہ خوفِ خدا کو مستلزم ہے۔ اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خصلتوں میں سے بدترین خصلتیں جو انسان میں پائی جاتی ہیں دو ہیں۔ ایک انتہائی بخل اور دوسری انتہائی بزدلی و نامردی۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

کبر و غرور کی وجہ سے کسی عمل کا چھوڑ دینا

اسی طرح کبھی انسان کسی عمل کو یہ گمان کر کے چھوڑ دیتا ہے کہ اس کے ترک میں

ورع و پرہیزگاری ہے حالانکہ وہ کبر و غرور اور جاہ پسندی کے جذبہ کے ماتحت اس سے دست بردار رہتا ہے اور حضور سیّد انام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اِنَّمَا اَلاَعمَالُ بِالنِّیاتِ ایک کامل اور جامع کلمہ ہے کیونکہ نیّت عمل سے وہی نسبت رکھتی ہے جو ورع و پرہیزگاری کو جسم سے ہے۔ ورنہ اس شخص کی وضع و ہیئت جو اللہ تعالےٰ کو سجدہ کر رہا ہو اور اس آدمی کی حالت جو زمین پر پیشانی رکھ کر سورج یا چاند کو سجدہ کرتا ہو بالکل یکساں ہے حالانکہ اوّل الذکر اللہ تعالےٰ کا نہایت مقرب اور دوسرا اُس خالق یکتا سے نہایت دور و مہجور ہے اور رب جلیل نے فرمایا ہے "ان لوگوں کے زمرہ میں ہوتا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے اور ہمیشہ باہم رحم و شفقت کرنے کی ہدایت کی (۹۰: ۱۷) اور حدیث میں ہے کہ افضل درجہ کا ایمان جوانمردی اور صبر و استقلال ہے۔

عطا و بخشش اور عالی حوصلگی

پس مخلوق خدا کی رعایت اور لوگوں کی سیاست عطا و بخشش اور عالی حوصلگی کے بغیر پوری نہیں ہوتی بلکہ اس کے بغیر دین اور دنیا کی اصلاح مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ جو حکمران ان دو صفتوں سے متصف نہ ہو اس سے حکومت و عملداری چھین کر دوسرے کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ اس معنی میں حق تعالےٰ فرماتا ہے "اے مومنو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ راہ خدا میں (جانبازی کے لیے) نکلو تو تم زمین

پر ڈھیر ہوئے جاتے ہو۔ کیا آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر ریجھے بیٹھے ہو؟ پس آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کے منافع محض بے حقیقت ہیں۔ اگر راہِ خدا میں لڑنے کے لیئے نہ نکلو گے تو خدا تم کو بڑی دردناک مار ماریگا اور تمہارے عوض میں دوسرے لوگ (اپنے رسولؐ کی رفاقت کے لیئے) لا موجود کریگا اور تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے اور اللہ تعالےٰ کو ہر بات پر قدرت ہے (۹ : ۳۸)

بخل کی برائی

اسی طرح خدائے قدوس نے ارشاد فرمایا :-

سُن رکھو کہ (تم لوگ خدا کو تو بھلا کیا دو گے) تم کو اللہ کے رستے میں خرچ کرنے کو بُلایا جاتا ہے تو اس پر بھی تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے وہ فی الواقع اپنے آپ سے بخل کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ تو بے نیاز ہے اور تم اس کے محتاج ہو اور اگر تم (حکمِ خدا سے) رُوگردانی کرو گے تو اللہ تعالےٰ تمہاری جگہ دوسروں کو لا بٹھلائے گا جو تمہاری طرح تنگدل نہ ہونگے (۴۷ : ۳۸)

اور فرمایا۔ مسلمانوں میں سے جن لوگوں نے فتح مکّہ سے پہلے راہِ خدا میں مال خرچ کیئے اور دشمنوں سے لڑے، وُہ دوسروں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ لوگ مدارج میں ان لوگوں سے فائق ہیں جنہوں نے فتح مکّہ کے بعد مال خرچ کیئے اور لڑے اور (یوں تو) اللہ تعالےٰ نے سب سے حسنِ سلوک کا وعدہ کر رکھا ہے (۵۷ : ۱۰)

پس حق تعالے نے اس وعدے کو انفاق کے ساتھ مشروط کیا جو سخاوت ہے اور قتال پر موقوف کیا جو شجاعت ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:۔ اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔" اور رب قدیر نے قرآن میں ہم کو جتلا دیا کہ بخل کبیرہ گناہوں میں داخل ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ اور جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ کو اپنے فضل و کرم سے (مقدور) دیا ہے اور وہ (راہِ خدا پر) اُس کے خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں وُہ اس کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ ان کے حق میں سخت زبوں ہے کیونکہ جس مال پر بخل کیا تھا عنقریب قیامت کے دن اُس کا طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالا جائیگا (۳ : ۱۸۰)

اور فرمایا:۔ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ پس ان کو دردناک عذاب کی "بشارت" سنا دو۔ (۹ : ۳۴)

بُزدلی

اسی طرح بُزدلی اور دون ہمّتی کے متعلق فرمایا:۔ اور جو شخص ایسے موقعوں پر کافروں کو اپنی پیٹھ دے گا تو ایسا شخص عذاب الٰہی میں گرفتار ہو گیا اور (انجام کار) اس کا ٹھکانا جہنّم ہے اور جہنم بہت بُری جگہ ہے۔ مگر ہاں لڑائی کے لئے کنارہ کاٹتا ہو یا اپنی فوج میں جا شامل ہونے کے لئے ٹل جائے (تو مضائقہ نہیں) (۸ : ۱۶) اور فرمایا اے مسلمانو! (یہ منافق تمہارے سامنے) قسمیں کھاتے ہیں

کہ وُہ بھی تمہی میں سے ہے حالانکہ وُہ تم میں سے نہیں بلکہ وُہ بزدل لوگ ہیں (۹: ۵۶)

سیاسیّین کا پہلا گروہ

اس بارہ میں لوگ تین فریقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ پہلا فریق وہ ہے جس پر بڑائی غرور اور فتنہ و فساد کی محبّت غالب ہے۔ ان لوگوں کو اپنی عافیت دکھائی نہیں دیتی۔ ان کا مطمح نظر یہ ہے کہ حکومت اور دبدبہ عطا و بخشش کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا حالانکہ ایسی داد و دہش کی تشکیل اُس وقت تک محال ہے جب تک اموال لوگوں سے ناجائز طریقوں سے وصول نہ کیے جائیں۔ ان کا مقولہ یہ ہے کہ والی وہی برقرار رہ سکتا ہے جو کھانے اور کھلانے والا ہو۔ اور جب کوئی ایسا پارسا اور پرہیزگار آدمی کسی جگہ کا عامل مقرر کیا جائے جو ناجائز طریق سے نہ خود کھاتا ہو اور نہ دوسروں کو کھلاتا ہو تو رؤسا اس کے دشمن ہو جاتے ہیں اور گو اُس کی ذات سے کسی کے جان و مال کو کچھ نقصان نہ پہنچتا ہو لیکن اُس وقت تک اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے جب تک اُس جرم ناآشنا کو معزول نہیں کرا لیتے۔ یہ لوگ دُنیا کے عارضی منافع اور فانی لذّتوں کے پیچھے پڑے ہیں۔ ان کے سوا انہیں کچھ سوجھائی نہیں دیتا۔ انہوں نے اپنی آخرت و معاد کو بالکل طاق نسیاں پر رکھ چھوڑا ہے۔

دوسرا فریق

دوسرا فریق وہ ہے جن کے دلوں میں خوف خدا ہے اور دنیاداری کے اقتضاء

سے یقین رکھتے ہیں کہ خلق خدا پر ظلم کرنا اور محرّمات کا مرتکب ہونا قبیح ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس خیال پر بھی جازم ہیں کہ سیاست ان افعال کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جن کا عمّال حکومت کی طرف سے عموماً ارتکاب ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ان مظالم سے مطلقاً چشم پوشی کرتے ہیں اور بسا اوقات ان کے دل بزدلی، دون ہمتی اور بخل کا گہوارہ بنے ہوتے ہیں بعض دفعہ یہ لوگ کسی ایسے واجب کے تارک ہوتے ہیں جن کا ترک بعض محرّمات کے ارتکاب سے بھی زیادہ مضرت رساں ہوتا ہے اسی طرح وہ بعض دفعہ لوگوں کو واجب سے روک دیتے ہیں حالانکہ یہ نہی سراسر اللہ کے راستے سے روکنا ہے۔

کبھی یہ لوگ نا دیل کاری کے کند ہتھیاروں سے مسلح دکھائی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں بات کا انکار واجب ہے، اور اس وقت تک اس واجب پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے جب تک مقاتلہ نہ کیا جائے پس وہ مسلمانوں کے خلاف اسی طرح رزم خواہ ہوتے ہیں جس طرح خوارج ہوئے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن سے نہ تو دنیا مصالحت کر سکتی ہے اور نہ دین کامل۔ البتہ ان سے دین کے مختلف انواع اور دنیا کے بعض امور صلح کر سکتے ہیں۔ جن امور میں انہوں نے اجتہاد کیا اور خطا کی اُن میں ان سے درگزر ہو سکتا ہے اور ان کا قصور معاف کیا جا سکتا ہے، لیکن عام طور پر وہ اس آیت قرآنی کے مصداق ہیں "اے نبی! ان کافروں سے کہو کہ کیا ہم تمہیں وہ لوگ بتائیں جو باعتبار اعمال بڑے گھاٹے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیاوی زندگی کی کوشش

سب رائیگاں گئی اور وہ اپنی غلط فہمی سے اسی خیال میں ہیں کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں (۱۸ : ۱۰۳)

غرض یہ ایسے لوگ ہیں جو نہ تو کسی سے کچھ لیتے ہیں اور دوسرے کو دیتے ہیں اور نہ ان کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ اپنے مال سے کفّار و فجّار کی تالیف قلوب کریں اور پھر لطف یہ ہے کہ وہ اس خیال میں پڑے ہیں کہ کفار کی تالیف قلوب کرنا ظلم اور ان کو دینا دلانا حرام ہے۔

معتدل اور میانہ رو جماعت

تیسرا فریق اُمّتِ معتدل یعنی سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفا کا دین ہے کہ اُمّت مرحومہ جس کی قیامت تک پیروی کرتی رہے گی۔ اس فریق کا مسلک یہ ہے کہ لوگوں کی مالی مدد کریں اور خلقِ خدا کی نفع رسانی میں کوشاں رہیں اور اگر رؤسا ہوں تو ان پر واجب ہے کہ اصلاح احوال اور اقامتِ دین کی کوشش کریں اور اس حد تک لوگوں کی دنیاوی اصلاح کریں جو قیام دین اور عفتِ نفس کے لئے ضروری ہو لیکن مسلمان کے لئے مناسب ہے کہ وہ اس سے زیادہ دنیا حاصل نہ کرے جس کا وہ مستحق نہیں اور چاہیے کہ اہل ایمان تقویٰ اور احسان دونوں صفات کو اپنی ذات میں جمع کریں۔ چنانچہ رب قدیر فرماتا ہے:۔ اللہ تعالےٰ ان کے ساتھ ہے جو پرہیزگار ہیں اور نیکی و احسان کرتے ہیں۔ (۱۶ : ۱۲۸)

انفاق فی سبیل اللہ کی حد

اس کے بغیر نہ تو دینی سیاست پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے اور نہ اس طریقہ کے بغیر دین اور دنیا کی اصلاح ممکن ہے جو کوئی اس طریقہ کا پیرو ہے وُہ بقدرِ حاجت لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے اور حلال طیّب کے سوا کوئی لقمہ اس کے شکم میں نہیں جاتا۔ اور انفاق یعنی لوگوں کو فی سبیل اللہ کھلانا اس قدر کفایت کرتا ہے کہ جس کا تقویٰ کم سے کم مقتضی نہ ہو۔ پس اپنی ذات کے لئے اتنی دنیا جمع کرنا جس طرف عام طبائع راغب ہیں عفت و پارسائی کے مسلک میں ممنوع ہے۔ انسان تقویٰ کی بدولت لوگوں کے دین کی اس درجہ اصلاح کر سکتا ہے کہ کسی دوسری صورت میں جس کی اُمّید نہیں ہو سکتی اور اگر عفت اور قدرت دونوں جمع ہوں تو یہ اصل تقویٰ ہے۔

اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ابو سفیان بن حرب سے مروی ہے کہ ہرقل شاہ روم نے مجھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا کہ مدعی نبوت تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟ ابو سفیان نے کہا کہ وہ نماز، صدقہ، پرہیزگاری اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں"۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے ابراہیم! کیا جانتے ہو کہ میں نے تمہیں خلیل کیوں بنایا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم کو لینے کی نسبت عطا و بخشش زیادہ محبوب ہے"۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کا ہم نے رزق و عطا میں ذکر کیا ہے اس کو سخاوت اور بذل منافع سے

بھی تعبیر کرتے ہیں اور نظیر اس کی صبر اور غضب میں پائی جاتی ہے جو شجاعت اور مخلوق سے مضرت دُور کرنے کا دوسرا نام ہے

غیظ و غضب کے مدارج

اس بارہ میں لوگ تین جماعتوں میں منقسم ہیں۔ ایک وُہ لوگ ہیں جو اپنے لئے بھی غضب ناک ہوتے ہیں اور اپنے پروردگار کے لئے بھی۔ دوسرا گروہ ان افراد پر مشتمل ہے جو نہ اپنے لئے غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں اور نہ اپنے پروردگار کے لئے۔ تیسرے وُہ اعتدال پسند اور میانہ رو ہیں جو اپنے خالق کردگار کے لئے تو غضب ناک ہوتے ہیں لیکن اپنے لئے نہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت العمر کبھی کسی خادم یا بیوی یا چار پائے یا کسی دوسرے متنفس پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ البتہ جہاد فی سبیل اللہ کیا کرتے تھے اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ کو کسی نے کوئی اذیت پہنچائی ہو اور آپ نے اس سے انتقام لیا ہو۔ ہاں البتہ اگر کبھی حرمات الٰہیہ کی توہین کی جاتی تھی تو آپ کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہتی تھی۔

رب کردگار کیلئے غضب ناک ہونیوالے

اور جو لوگ اپنے لئے تو غضب ناک ہوتے ہیں لیکن رب العالمین کے عزّ و شرف

کے لیے ان کے نہاں خانۂ دل میں کوئی جذبہ نہیں یا خود تو حاصل کرتے ہیں لیکن دوسرے کو عطا نہیں کرتے وہ چوتھی قسم میں داخل ہیں۔ ایسے لوگ بدترین مخلوق ہیں۔ ان کی ذات سے نہ دین کو کوئی نفع پہنچ سکتا ہے اور نہ دنیا کو۔ ان کے مقابلہ میں وہ صالحینِ اُمّت ہیں جو سیاستِ کاملہ کے مالک ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے واجبات کو قائم رکھا اور محرمات سے دستبردار رہے۔ یہ لوگ اپنی عطا و بخشش سے دین کی اصلاح کرتے اور اس کو تقویت پہنچاتے ہیں اور کسی چیز کو اس وقت تک ہاتھ نہیں لگاتے جب تک اس کا لینا ان کے لئے شرعاً مباح نہ ہو اور جب محارمِ الٰہیہ کی ہتک کی جاتی ہے تو آپ اپنے رب کریم کے لیے غضب ناک ہوتے ہیں اور جب ان کا کوئی قصور کرتا ہے یا کسی طرح انہیں نقصان پہنچاتا ہے اس کو معاف کر دیتے ہیں۔

یہ وہ اخلاق ہیں جن سے ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم بدرجۂ اتم متّصف تھے۔ بذل اور دفع دونوں حالتوں میں آپ کا یہی مقام تھا۔ یہ تمام امور میں کامل ترین حالت ہے اور جو شخص اس سے جتنا زیادہ قریب ہوگا وہ اُتنا ہی افضل ہوگا پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ ان اخلاقِ نبویہ سے تقرّب حاصل کرے اور ان احکام و تعلیمات کی معرفت حاصل کرنے کے بعد جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اپنی کوتاہیوں اور تقصیروں سے بارگاہ رب العزت میں استغفار کرے۔ خدائے عزیز و برتر کے اس ارشاد میں بھی اشارہ

ہے:- اے مسلمانو! اللہ تعالےٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتیں ان کے حوالے کر دیا کرو (۴: ۵۸)

حدودِ شرعیہ[1] کا قیام

رب العالمین ارشاد فرماتا ہے کہ جب لوگوں کا کوئی فیصلہ کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ اس کو فیصل کرو۔ یہ فیصلہ حدود شرعیہ اور حقوق میں ہوگا۔ ان کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم وہ حدود و حقوق ہیں جن کا تعلق کسی معین قوم سے نہ ہو بلکہ اس کی منفعت بے تخصیص عام مسلمانوں کو یا مسلمانوں کی کسی نوع کو پہنچتی ہو اور سب کے سب ان منفعتوں کے حاجت مند ہوں۔ ان فیصلوں کو حدود اللہ کہتے ہیں جیسے غارتگروں اور قزاقوں یا چوروں یا زانیوں اور اس قسم کے دوسرے لوگوں کو شرعی حد لگانا۔ یا جیسے اموالِ سلطانیہ یا اوقاف یا ان وصیتوں کی نزاعات کا فیصلہ کرنا جو کسی معین شخص کے لئے نہ کی گئی ہوں یہ ولایت و حکومت کے اہم امور میں سے ہیں۔

اسی بنا پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ مسلمانوں پر کسی نہ کسی امیر یعنی فرمانروا کا ہونا لازم ہے خواہ نیک ہو یا فاجر۔ گزارش کی گئی امیر المومنین!

---

[1] جن جرموں کی کوئی سزا شریعتِ مطہرہ نے مقرر فرما دی ہے اس کو سزا کی حد یا شرعی حد کہتے ہیں (مترجم)

ہم بنک اور معدلت گسنر حکمران کی ضرورت کے تو قائل ہیں لیکن فاجر حاکم سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ فرمایا اس کی بدولت بھی حدود شرعیہ قائم ہونگی۔ راستے پُرامن رہیں گے۔ دشمن سے جہاد کیا جائیگا۔ اس کے ہاتھوں مالِ فئے تقسیم ہوگا۔

اور یہ وُہ قسم ہے جس کی چھان بین کرنا اور اس کے قیام میں کوشاں رہنا حکام پر واجب ہے، خواہ اس کے لئے کسی متنفس کی طرف سے اس کا کوئی دعویٰ کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اسی طرح ان امور میں کسی کے مدعی بننے کے بغیر ہی شہادتیں فراہم کی جانی چاہیئں اگرچہ فقہا کرام چور کا ہاتھ کاٹنے کے بارہ میں مختلف الرائے ہیں کہ اس کے لئے اس شخص کا مطالبہ لازمی ہے یا نہیں جس کا مال چرایا گیا ہو

سفارش کی بنا پر حدود اللہ کو برطرف کرنا ناحق ہے ٔ کرنا

امام احمد وغیرہ کے مذہب میں اس کے متعلق دو قول ہیں لیکن اس بات پر تمام فقہاء متفق ہیں کہ حد جاری کرنے کے لئے مسروق لہٗ کے مطالبہ کی کوئی حاجت نہیں۔ البتہ بعض فقہاء نے مال کا مطالبہ کرنے کو لازمی شرط قرار دیا ہے تاکہ چوری میں کوئی شبہ باقی نہ رہ جائے۔ مال مسروقہ کے برآمد کرنے میں شریف، غیر شریف اور قوی وضعیف سب سے مساویانہ سلوک کیا جائیگا۔ اور حاکم کے لئے کسی طرح حلال نہیں کہ کسی کی سفارش پر یا ہدیہ قبول کرکے اس معاملہ کو کھٹائی میں ڈالے۔ اور اگر کوئی حاکم قدرت رکھنے کے باوجود کسی سفارش کی بنا پر انصاف وحق تڑ دہی سے باز رہے تو وُہ اس

بات کا سزاوار ہے کہ اس پر اللہ کی اور ملائکہ کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ احکم الحاکمین ایسے والی حکومت کی نہ کوئی فرضی عبادت قبول فرمائے گا اور نہ نفلی کیونکہ ایسا حاکم اُن لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو حقیر قیمت پر فروخت کیا

اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی سفارش، حدود اللہ میں سے کسی حد شرعی کے نافذ ہونے میں حائل ہو گئی۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی اور جس نے دیدہ دانستہ کسی سے ناحق جھگڑا کیا وہ ہمیشہ غضبِ الٰہی میں گرفتار رہتا ہے یہاں تک اُس سے باز آئے اور جس شخص نے کسی مومن کی نسبت کوئی ایسا عیب و نقصان ظاہر کیا جو اس میں نہیں (یعنی افترا پردازی کی) تو خدائے قاہر اس کو اُس وقت تک دوزخیوں کی پیپ اور لہو کی کیچڑ میں رکھے گا جب تک وہ اپنے بیان سے باہر نہ آجائے (یعنی مرنے سے پہلے توبہ کرلے یا اس کی سزا بھگت لے)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکام اور گواہوں اور متخاصمین کا ذکر فرمایا ہے اور یہی اس حکم کے ارکان ہیں۔

سارقہ کی سفارش کرنے پر رسول انام ؐ کی ناراضی

بخاری و مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ (فتح مکہ کے بعد مکہ معظمہ کی) ایک مخزومی عورت کے واقعہ نے رؤسائے قریش کو فکر و تردد

میں ڈال دیا۔ اس عورت نے جو (حضرت خالد بن ولید رضؓ کے قبیلہ میں سے تھی) چوری کی (اور قریش کی خواہش تھی کہ اس کا ہاتھ نہ کٹے) یہ لوگ باہم مشورہ کرنے لگے کہ کون ایسا شخص ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کرے۔ آخر جب دیکھا کہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے سوا جو حضرت سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ہیں کوئی بھی ایسا نہیں جو سفارش کی جرأت کر سکے۔ ان سے شفاعت کی درخواست کی گئی۔ حضرت اُسامہ رضؓ بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوئے اور مخزومیہ کے حق میں سفارش کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سفارش ناگوار ہوئی۔ اور آپ نے حضرت اُسامہ رضؓ سے فرمایا کیا تم حدود اللہ میں سے ایک حدّ کے بارہ میں مجھ سے سفارش کرتے ہو؟ اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اس بنا پر ہلاک کیے گئے کہ جب کوئی معزز و شریف آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی ضعیف و مسکین شخص سرقہ کا مرتکب ہوتا تو اس پر حدّ جاری کرتے۔ اور مجھے اللہ کی قسم ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد (سلام اللہ علیہا) بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں۔"

پس اس قضیہ میں لوگوں کے لئے عبرت ہے کیونکہ قریش میں سب سے معزز گھرانے دو بطن تھے بنو مخزوم اور بنو عبد مناف۔ ان میں سے متقدم الذکر قبیلہ کے لئے اُس شخص نے سفارش کی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھا یعنی حضرت اُسامہ بن زید رضؓ۔ لیکن آپ نے اس سفارش کو قبول نہ

فرمایا بلکہ حضرت اسامہ رضؓ پر غضب ناک ہوئے اور فرمایا خبردار! تم اس چیز میں جس کو خدائے جلیل نے حرام کردیا ہے کبھی دخل نہ دینا (یعنی حدود اللہ میں شفاعت نہ کرنا) اس کے بعد حضور سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدۃ نساء العالمین (سلام اللہ علیہا) کی مثال پیش کی جن کو خدا نے برتر نے اس قسم کے افعال سے بالکل محفوظ رکھا تھا اور فرمایا کہ اگر (بفرضِ محال) میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں "

اور مروی ہے کہ یہ مخزومی عورت جس کا ہاتھ کاٹا گیا تائب ہوگئی۔ اس کے بعد کبھی کبھی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا کرتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی امداد فرمایا کرتے اور مروی ہے کہ جب سرقہ کرنے والا چوری سے تائب ہو جائے تو اس کا ہاتھ جو چوری کی علت میں قطع کیا گیا تھا جنت میں اس سے پہلے پہنچ جائیگا اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کا ہاتھ دوزخ میں داخل ہونے کے لئے اس سے سبقت لے جائیگا۔

حد شرعی میں سفارش کرنے کی وعید

ایک مرتبہ لوگوں نے چور کو پکڑا اور اُسے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کرنے کے لئے لے چلے۔ راستہ میں زبیرؓ سے ان کی ملاقات ہوئی بعض لوگ ان سے کہنے لگے کہ ذرا چل کر حضرت عثمانؓ سے ان کی سفارش

کردو"۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب حدِ شرعی تک نوبت پہنچ جائے تو اس وقت شفاعت کرنے والے اور شفاعت قبول کرنے والے دونوں پر اللہ کی لعنت ہو"۔ زہری رحمہ اللہ کے اس بیان کی اصل رب جلیل کا یہ ارشاد ہے:۔ جو کوئی نیک (بات کی) سفارش کرے (قیامت کے دن) اس (نیک کام کے اجر) میں سے اس کو بھی حصہ ملے گا اور جو کوئی بری بات کی سفارش کرے اس (کے وبال) میں وہ بھی شریک ہو گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مقیت (ضابطہ) ہے (۴: ۸۵)

حاکم کے سامنے پیش ہو جانے کے بعد حد نہیں ٹل سکتی

شفاعت و سفارش طالب امداد کی دستگیری کرنے کا نام ہے یہاں تک کہ وہ شفیع کے ملنے کے بعد طاق سے جفت ہو جاتا ہے۔ اور اگر کسی کو نیکی اور تقویٰ کے کام میں مدد دی تو وہ اچھی شفاعت ہو گی اور اگر برائی اور عدوان میں اس کا ہاتھ بٹایا تو وہ بری شفاعت ہو گی۔ نیکی وہ ہے جس کے کرنے کے ہم مامور ہیں اور برائی وہ ہے جس کے ارتکاب کی ہم کو ممانعت کی گئی ہے۔

ایک مرتبہ صفوان بن امیہؓ مسجد نبوی میں چادر تان کر سو رہے تھے۔ ایک چور آیا اور چادر اتار کر جانے لگا۔ صفوان نے اس کو پکڑ لیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ صفوان کہنے لگے یا رسول اللہ! کیا آپ میری چادر کی بنا پر اس کا ہاتھ قطع کرتے ہیں میں یہ چادر

اسی کو ہبہ کرتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے میرے پاس لانے سے پہلے اسے کیوں ہبہ نہ کر دی؟ چنانچہ اس کا ہاتھ قطع کیا گیا۔ اس کو اہلِ سنن نے روایت کیا ہے۔

سیّدِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہ مقصد تھا کہ اگر تم نے اس کو میرے پاس لانے سے پہلے بخش دیا ہوتا تو اس کا ہاتھ قطع نہ ہوتا۔ لیکن اب جو اس معاملے کو میرے پاس لے آئے ہو تو یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ معافی یا سفارش یا ہبہ اللہ تعالےٰ کی مقرر کی ہوئی حد کو ٹال سکے۔ اسی بنا پر علماء (جہاں تک میرے معلومات کو دخل ہے) اس بات پر متفق ہیں کہ قزاق، چور یا اس قسم کے دوسرے مجرم جب حاکم کے سامنے پیش کر دیئے جائیں تو گو وہ توبہ کر لیں مگر حدِ شرعی ان سے ساقط نہیں ہو سکتی بلکہ حاکم پر واجب ہو جاتا ہے کہ ان پر حد لگائیں اگرچہ تائب ہوں۔ پس اگر وہ اپنی توبہ میں صادق ہونگے تو حد ان کے گناہ کا کفارہ ہو جائیگی۔ ربِّ قدیر فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور فساد پھیلانے کی غرض سے زمین پر دوڑتے پھرتے ہیں، ان کی سزا یہ ہے کہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کر دیئے جائیں یا ان کو صلیب دیا جائے یا ان کے اُلٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ان کو جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ تو دنیا میں ان کے لئے ذلّت و رسوائی ہے اور آخرت میں ان کو بڑا عذاب ہوگا۔ مگر جو لوگ اس سے پیشتر کہ اُن پر قابو پاؤ توبہ کر لیں (تو ان سے تعرض نہ کرو) اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ غفورٌ رحیم ہے (۵: ۳۳، ۳۴)

جو کوئی خود حاضر ہو کر اعترافِ جُرم کرے

اس آیت میں ربّ غفور نے صرف اُن تائبین کو مستثنیٰ فرمایا ہے جو حاکم کے سامنے پیش ہونے اور ان سے قابو پانے سے پیشتر توبہ کر لیں لیکن وہ مجرم جو قابو پانے کے بعد تائب ہو اس پر حدّ لگانا واجب ہو جاتا ہے یہ اُس صورت میں ہے کہ گواہوں کی شہادت سے اس کا جُرم ثابت ہو لیکن اگر کوئی اپنے گناہ کا اقرار کرتے ہوئے حاکم کے پاس خود حاضر ہو جائے تو اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے جو کسی اور مقام پر مذکور ہے۔ اور امام احمدؒ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس قسم کی صورتوں میں حد لگانا اُس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک اقامت حدّ کا مطالبہ نہ کیا جائے اور اگر وہ چلا جائے تو اس پر حدّ جاری نہ ہوگی۔ ماعز بن مالک کی حدیث میں جس کی نسبت سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہ دیا اور وہ حدیث جس میں ایک شخص نے بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہو کر التماس کی تھی یا رسول اللہ میں حدّ کو پہنچا ہوں۔ آپ مجھ پر حدّ جاری فرمایئے اسی پر محمول کی گئی ہے۔

ایک حد کا جاری ہونا ۴۰ دن کی بارش سے زیادہ بہتر ہے

سنن ابو داؤد نسائی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپس کے مابین حدّوں کو معاف کر دیا کرو۔ پس جو

معاملہ حدّ کو پہنچ جائے تو اس کو جاری کرنا واجب ہے اور سنن نسائی وابن ماجہ میں
ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہادیٔ انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین پر ایک حدّ
کا جاری کیا جانا اہلِ زمین کے لئے اس سے کہیں بہتر ہے کہ چالیس صبح تک بارانِ
رحمت نازل ہوتا رہے کیونکہ معاصی رزق کی کمی اور دشمن کے خوف کا سبب ہیں۔
جیسا کہ اس پر کتاب وسنّت دلالت دلاتی ہے۔ پس جب حدّیں جاری کی جائیں
تو طاعتِ الٰہی رونما ہوتی ہے اور اس کی معصیت کو زوال آتا ہے جس کا نتیجہ فراخیٔ
رزق اور نصرتِ الٰہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ پس یہ جائز نہیں کہ زانی اور سارق
یا شارب یا قزاق اور اس قسم کے دوسرے فاسقوں سے کچھ رقم لے کر حدود اللہ کو
معطّل کیا جائے۔ ان لوگوں سے نہ تو بیت المال سے کوئی رقم لینا روا ہے اور نہ کسی
دوسرے اسلامی مصرف کے لئے۔ یہ مال جو حدود اللہ کی برطرفی کے لئے وصول کیا جائے
قطعاً حرام ہے اور جب کوئی ولی الامر یعنی حاکم اس فعل کا مرتکب ہو تو وہ دو بہت
بڑے فسادوں کو جمع کریگا۔ ایک احکم الحاکمین عزاسمہ کی مقرر کی ہوئی حدّ کی تعطیل
و برطرفی اور دوسرا حرام خوری۔ پہلا کام ترکِ واجب ہے اور دوسرا فعل محرّم۔ خدائے
عزیز و برتر فرماتا ہے۔ ان لوگوں کو ان کے ربّی (یعنی مشائخ) اور علما کذب بیانی
اور حرام خوری سے کیوں منع نہیں کرتے۔ بلاشبہ بہت ہی بُری ہے وہ (چشم پوشی و درگزر)
جو ان کے مشائخ وعلماء کرتے رہے ہیں (۵: ۶۳)

راشی و مرتشی

اسی طرح رب جلیل یہود کی نسبت فرماتا ہے ۔ جھوٹی باتوں کی طرف کان سوئیاں لیتے پھرتے ہیں اور بڑے حرام خور ہیں (۵ : ۴۲) کیونکہ علمائے یہود رشوت لے کر حرام کھاتے تھے جس کا نام انہوں نے برطیل رکھا ہوا تھا ۔ اور بعض اوقات اس کو ہدیہ وغیرہ کے نام سے بھی موسوم کرتے تھے اور جو ولی الامر (یعنی صاحب حکومت) حرام کھاتا ہو ضرور ہے کہ وہ جھوٹی گواہی بھی قبول کریگا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راشی، مرتشی اور اُس شخص پر لعنت کی ہے جو فریقین میں رشوت کی داد و ستد کے لئے آمد و رفت رکھے ۔ اس حدیث کو اہل سنن نے روایت کیا ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑتے ہوئے آئے ایک نے کہا یا رسول اللہ! کتاب اللہ کے ماتحت ہمارا فیصلہ کر دیجیئے ۔ دوسرے نے التماس کی ہاں یا رسول اللہ! آپ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمایئے اور مجھے اجازت دیجیئے کہ میں صورتِ حال عرض کروں"۔ آپ نے فرمایا ہاں بیان کرو اس نے کہا کہ میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدوری کرتا تھا ۔ اس نے اس کی بیوی سے فحش کاری کی ۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ تمہارا بیٹا سنگسار کیا جائیگا ۔ میں نے (بیٹے کو رجم سے بچانے کے لئے) اس شخص کو سو بکریاں اور ایک لونڈی دی ۔ اس کے بعد

میں نے اہل علم سے پوچھا تب مجھے بتایا گیا کہ تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال تک جلا وطن رہے گا اور اس کی بیوی سنگسار کی جائیگی

یہ سن کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اسی ذات برتر کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ میں کتاب اللہ ہی کے مطابق تمہارا فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ تم بکریاں اور لونڈی اس شخص سے واپس لے لو۔ نیز بیٹے کو سو دُرّے لگائے جائیں گے اور وہ ایک برس تک جلا وطن رہے گا۔ اس شخص کا نام اُنیس تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اُنیس! تم اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ۔ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کو سنگسار کردو۔" عورت نے اس کا اعتراف کیا اس لئے اُنیس نے اس کو سنگسار کر دیا۔"

اس حدیث میں آپ نے پڑھا کہ اُنیس نے اپنے بیٹے کو حد سے بچانے کے لئے جو مال دیا آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے واپس لینے اور مجرم کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور آپ نے مجاہدین، فقراء، مساکین وغیرہ مسلمانوں کے لئے بھی وہ مال لینا پسند نہ فرمایا اور تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ مال لے کر یا کسی اور بنا پر حد سے درگزر کرنا کسی طرح جائز نہیں اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ جو مال زانی، چور، شراب خور، محارب، قذّاف یا اس قسم کے دوسرے فاسقوں سے وصول کر کے کسی حدِ شرعی سے درگزر کیا جائے وہ مال حرام اور خبیث ہے اور لوگوں کے دینی و دنیاوی امور میں جو فساد و انتشار علی العموم پایا جاتا ہے، اس کی

ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ مال و جاہ کے لیئے حدود اللہ کو معطل و برطرف کر دیا جاتا ہے اہلِ دشت و دیہات، عرب کے شہروں کے باشندے، ترکمان، کرد، زراعت پیشہ لوگ، رؤسا، امراء وغیرہ اس معصیت میں بکثرت مبتلا ہیں۔ حکام کی جو قدر و منزلت لوگوں کے دلوں سے اٹھ گئی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بہت سے حکمران جب رشوت لے کر حدود اللہ کو ساقط کر دیتے ہیں تو ان کا نفس اس بات سے قاصر رہ جاتا ہے کہ کسی دوسری حد کو قائم رکھیں اور جاری کریں۔ پس وہ یہود کے ہم رنگ ہو گئے ہیں جن پر اللہ تعالےٰ نے لعنت کی تھی۔

رشوت اور امانت کی کشمکش

برطیل دراصل مستطیل پتھر کو کہتے ہیں اور رشوت کو اس لیئے برطیل کہنے لگے کہ وہ رشوت خوار کو اسی طرح حق گوئی سے باز رکھتی ہے جس طرح کوئی بڑا طویل پتھر جو گزرگاہ میں پڑا ہو۔ وہ راہ کو مسدود کر دیتا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ جب رشوت دروازے سے داخل ہو تو امانت کھڑکی میں سے خارج ہو جاتی ہے لیکن حالت یہ ہے کہ بعض مفسد بادیہ نشین عرب حاکم علاقہ کو ایک گھوڑا نذر کر کے اس کے مقرب بن جاتے ہیں اور پھر اس کی شہ پا کر رشوت ستانی اور حرام خوری کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ ایسے حکام سلطنت کے وقار کو صدمہ پہنچاتے اور رعیت میں فساد کی تخم ریزی کر رہے ہیں یہی حالت بہت سے زمینداروں کی ہے۔ بہت سے مے خواروں نے

یہ ذخیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ عہدہ داروں کی مٹھی گرم کر کے حد شرعی کے مواخذہ سے بچے رہتے ہیں۔ یہ عہدہ دار سخت حرام خور ہیں۔ خدا ان کو برکت نہ دے۔

اسی طرح بعض کسان جرم کا ارتکاب کر کے نائب حکومت کے مستقر یا امیر کے صدر مقام میں جا پناہ لیتے ہیں۔ حکام ان کو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت میں پناہ دیتے ہیں اور جرم سے کوئی باز پرس نہیں کرتے۔ صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے اُس شخص پر لعنت کی ہے جو کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے۔ پس جس شخص نے ان بدعتیوں میں سے کسی بدعتی کو پناہ دی اُس پر اللہ اور اس کے رسول کی لعنت ہے۔ غرض یہ امر قابل غور ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی سفارش حدود اللہ میں سے کسی حد میں حائل ہو گئی اُس نے اللہ تعالےٰ کے حکم کی مخالفت کی، تو اُس شخص کا کیا حال ہو گا جو اپنے اختیار اور قدرت سے کسی حد شرعی کو نافذ نہ ہونے دے اور حرام کھا کر مجرموں سے درگزر کرے۔ یہ مال ہر حیثیت میں خبیث ہے خواہ بیت المال کے لئے لیا جائے یا والی حکومت کے لئے اور خواہ سراً حاصل کیا جائے یا علانیہ وصول کیا جائے۔ غرض حد شرعی کو برطرف کرنے کے عوض میں جو کچھ بھی وصول کیا جائے وہ باجماع المسلمین حرام ہے۔ اس قسم کا روپیہ بلیسہ فاحشہ عورت کی خرچی، یا کاہن کی اُجرت یا کتے کی قیمت کے مشابہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کتے کی قیمت خبیث ہے اور فاحشہ عورت

کی خرچی خبیث ہے اور کاہن کی اُجرت خبیث ہے اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

امر معروف اور نہی منکر

جب کوئی والیٔ امر (یعنی حاکم) کچھ زر و مال لے کر منکرات پر مواخذہ کرنے اور حدود اللہ کے اجرا سے دست بردار ہوگیا تو ایسا حاکم بمنزلہ اُس دلاّلہ کے ہے جو فحش کاری کے لئے کسی مرد و عورت میں ملاپ کرا دیتی ہے۔ ایسے ناہنجار حاکم کی حالت بُرائی میں اُس پیرزن سے مشابہت رکھتی ہے جو زوجۂ لوطؑ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ عورت فجاّر کو ان لوگوں کی آمد سے مطلع کر دیتی تھی جو حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان ہوتے تھے۔ خدائے برتر اس کی نسبت اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:۔ پس ہم نے لوطؑ کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دی۔ بجز ان کی بیوی کے کہ وہ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں تھی (۷ : ۸۳) اور فرمایا (فرشتے بولے) اپنے اہل و عیال کو لے کر کچھ رات رہے نکل جاؤ اور پھر تم میں سے کوئی مُڑ کر بھی ادھر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ (وُہ دیکھنے سے باز نہ آئے گی) جو عذاب ان لوگوں پر نازل ہونے والا ہے وُہ بھی اس میں شریک ہوگی۔ ان کے عذاب کا مقرّر وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں (۱۱ : ۸۱)

وہ والی جو رشوت لے کر معصیّت کو متمکن کرے

پس اللہ تعالےٰ نے اس ناہنجار پیرزن کو جو بُرائی کی طرف مائل کرنے والی تھی اسی

عذاب میں مبتلا کیا جس میں ان لوگوں کو گرفتار کیا جو خباثت پر عمل پیرا تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب لوگ گناہ اور سرکشی میں مدد دینے کے لئے رقمیں وصول کرتے تھے ولی الامر کو عنانِ حکومت اس غرض سے سپرد کی جاتی ہے کہ وہ لوگوں کو نیک کاموں کی ترغیب دے اور برائیوں سے روکے۔ ولایت و حکمرانی کا یہی مقصد ہے لیکن اگر کوئی والی رشوت لے کر برائی اور معصیت کو متمکن کرے تو وہ مقصود پر عمل پیرا ہونے کی بجائے اُس کی ضد کو معمول بہا بنائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے تم نے کسی شخص کو اس غرض سے نوکر رکھا کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں تمہاری مدد کریگا مگر اس نے الٹا دشمن کی مدد کرکے تم ہی کو پیٹنا شروع کیا۔ یا وہ بمنزلہ اُس شخص کے ہے کہ جس نے اس غرض سے مال حاصل کیا کہ اس کی مدد سے جہاد فی سبیل اللہ کرے۔ لیکن وہ کافروں کے خلاف رزم خواہ ہونے کی بجائے اُلٹا مسلمانوں سے لڑنے لگا۔

صحابہ کرامؓ کے خیرالامت ہونے کی وجہ

ظاہر ہے کہ بندوں اور شہروں کی بھلائی امر معروف و نہی منکر سے وابستہ ہے کیونکہ معاش و معاد کی کامیابی اللہ اور اس کے رسول کی طاعت میں ہے اور یہ طاعت اُس وقت تک انجام پذیر نہیں ہو سکتی جب تک امر معروف اور نہی منکر نہ کیا جائے اسی کی بدولت یہ امت خیرالامت قرار دی گئی چنانچہ رب قدیر فرماتا ہے۔ لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے جس قدر امتیں پیدا کی گئیں، اُن میں تم (مسلمان) سب سے بہتر

ہو کر اچھے کام کرنے کو کہتے اور بُرے کاموں سے روکتے ہو (۳ : ۱۱۰) اور فرمایا تم میں ایک ایسا گروہ بھی ضرور ہونا چاہئے جو لوگوں کو نیکیوں کی طرف بلائیں۔ اچھے کام کرنے کو کہیں اور بُرے کاموں سے روکیں (۳ : ۱۰۴) اور فرمایا مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں کہ (لوگوں کو) نیک کام کرنے کی ہدایت کرتے اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں (۹ : ۷۱) اور بنی اسرائیل کی نسبت فرمایا کہ وہ ایک دوسرے کو اُس بُرائی سے جس کے مرتکب ہوتے تھے نہیں روکتے تھے۔ کیا ہی بُرا کام تھا جو وہ کرتے تھے (۵ : ۷۹) اور فرمایا جب (ان نافرمان لوگوں نے) وہ نصیحتیں جو ان کو کی گئی تھیں بھلادیں تو ہم نے ان کو عذاب سخت میں مبتلا کیا (۷ : ۱۶۵)

منکرات سے منع کرنے والے عذاب الٰہی سے مامون رہے

پس اللہ تعالےٰ نے اطلاع دی کہ جب عذاب نازل ہوا تو ان لوگوں کو نجات دی گئی جو لوگوں کو برائیوں سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے اور ظالم و نابکار عذاب شدید میں پکڑے گئے اور حدیث صحیح میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر لوگوں کو خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھ کر اس کو غیر محل پر چسپاں کرنے لگتے ہو یعنی اس آیت کو کہ اے مومنو! تم اپنی خبر رکھو جب تم راہِ راست پر ہو تو کوئی بھی گمراہ ہوا کرے، اُس کا گمراہ ہونا تم کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا (۵ : ۱۰۵) اس کے بعد حضرت صدیق رضؓ نے کہا کہ

میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اگر لوگوں نے کسی برائی کو دیکھا اور اس کو دور نہ کیا تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں پر عذاب عام نازل ہو۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ جب تک معصیت مخفی رہے وہ معصیت کرنے والے کے سوا کسی کو نقصان نہیں پہنچاتی لیکن جب ظاہر ہو اور اس سے انکار نہ کیا جائے تو ہر خاص و عام کو ضرر پہنچاتی ہے اور یہ قسم کہ جس کا حکم ہم نے اللہ کے حدود اور اس کے حقوق کے متعلق بیان کیا۔ اس کا اہم و اعظم مقصد یہی امر معروف اور نہی منکر ہے یاد رہے کہ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، صدقہ، امانت، والدین سے نیکی، صلہ رحمی اہل و عیال سے حسن معاشرت، ہمسایوں سے حسن سلوک اور اس قسم کے تمام نیک کاموں کی ترغیب و تحریض امر معروف میں داخل ہے۔

حاکم کا فرض ہے کہ وہ بے نمازوں کو شکنجۂ عذاب میں کس دے

پس ولی امر پر واجب ہے کہ وہ ان تمام لوگوں کو فریضۂ صلوٰۃ کا حکم کرے جو اس کے زیر فرمان ہوں اور تارک نماز کو شکنجۂ عذاب میں کس دے۔ یہ حکم باجماع المسلمین ثابت ہے اور اگر تارکان نماز ایک طائفہ ہوں جو افہام و تفہیم و زجر و توبیخ کو خاطر میں نہ لائیں تو والی حکومت پر واجب ہے کہ بے نمازوں سے جنگ و جدال کرے۔ اس وجوب پر تمام علمائے اسلام کا اجماع ہے۔ اسی طرح ان لوگوں سے بھی مقاتلہ کیا جائے جو زکوٰۃ، روزہ وغیرہما کے تارک ہوں۔ اور جو کوئی اُن محرمات ظاہرہ کو جن کی

حرمت پر تمام علمائے اُمت کا اجماع ہے حلال کرلے جیسے ان عورتوں میں سے کسی کو گھر میں ڈال لے جن سے ابداً نکاح حرام ہے جیسے ماں، بہن، خالہ، پھوپھی وغیرہا، یا سطحِ ارض پر فتنہ و فساد کی آگ مشتعل کرے یا اس قسم کا کوئی اور اقدام کرے تو حاکمِ وقت پر واجب ہے کہ ان لوگوں پر جہاد کرے یہاں تک کہ دین سارا خدا ہی کا ہو جائے۔ اس مسئلہ پر بھی تمام علمائے امت کا اتفاق ہے۔ الغرض ان شرائع اسلام میں سے جو ظاہر اور متواتر ہیں ان کے التزام سے جو گروہ بھی روگردانی کرے اس کے خلاف جہاد فرض ہے۔

تارکِ صلوٰۃ کو موت کے گھاٹ اُتارنے کا وجوب

اور اگر تارکِ نماز ایک شخص ہو تو اس کے متعلق بعض علماء کی تو یہ رائے ہے کہ اسے زد و کوب کریں اور زندان میں ڈال دیں۔ یہاں تک کہ نماز کا پابند ہو جائے۔ لیکن جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ بے نماز کو ترکِ صلوٰۃ سے توبہ کرائی جائے۔ اس کے بعد وہ پابندی اختیار کر لے تو بہتر ورنہ حاکم پر واجب ہے کہ اس کو قتل کر دے۔ رہا یہ سوال کہ جو شخص نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے قتل کیا جائے وہ کافر ہے یا فاسق مسلمان؟ اس کی نسبت دو قول ہیں۔ اکثر سلف صالحین کے نزدیک وہ کافر مرا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ قتل ہونے والا فرضیتِ نماز کا قائل ہو لیکن اگر وہ سرے سے نماز کی فرضیت ہی کا قائل نہ ہو تو وہ باجماع المسلمین کافر ہے۔ اسی طرح جو کوئی

دوسرے واجباتِ مذکورہ میں سے کسی کی فرضیت کا منکر ہو وہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے اور جو شخص فرائض کا تارک اور محرمات کا مرتکب ہو گا اس کے خلاف جہاد واجب ہو گا۔ جہاد فی سبیل اللہ کی یہی غرض و غایت ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ

جہاد اُمّت پر بالاتفاق فرض ہے جیسا کہ کتاب و سنّت اس پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ افضل اعمال میں سے ہے۔ ایک شخص نے گذارش کی یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جو ثواب میں جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو۔ آپ نے فرمایا تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اس نے التماس کی یارسول اللہ آخر فرمایئے تو وہ کون سا عمل ہے؟ فرمایا یہ ہے کہ دن میں ہمیشہ روزہ رکھو کبھی افطار نہ کرو اور نماز میں ایسا قیام کرو جس میں کسی سستی و ناتوانی کو دخل نہ ہو"۔ اس نے کہا واقعی مجھ میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا "یہی عمل جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے"۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا۔

جہاد فی سبیل اللہ کے فضائل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنّت میں سو درجے ہیں۔ ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان اور زمین میں بُعدِ مسافت ہے۔ اللہ تعالےٰ

نے یہ درجے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار کئے ہیں اس کو بھی بخاری نے روایت کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راس المال اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور کوہان اسلام کی بلندی جہاد فی سبیل اللہ ہے اور خدائے برتر نے فرمایا کہ (سچے) مسلمان تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہ کیا اور اللہ کے راستے میں اپنی جان و مال سے جہاد کرتے رہے۔ درحقیقت یہی صادق لوگ ہیں (۴۹: ۱۵) اور فرمایا کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص (کی خدمات اسلامی) کے برابر سمجھ لیا جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لاتا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرتا ہے؟ اللہ کے نزدیک تو یہ لوگ مساوی نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا (۹: ۱۹) اور فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور (دین کے لئے) ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ یہ لوگ اللہ کے ہاں درجے میں سب سے بڑھ کر ہیں اور یہی ہیں جو منزل مقصود کو پہنچنے والے ہیں۔ ان کا پروردگار ان کو اپنی مہربانی اور رضامندی اور ایسے باغوں (کی بود و باش) کا مژدہ سناتا ہے جن میں انکو دائمی آسائش نصیب ہوگی۔ یہ لوگ ان باغوں میں ابدالآباد مقیم رہیں گے بیشک اللہ کے ہاں ثواب (کا) بڑا (ذخیرہ موجود) ہے۔

رہزنوں کی سزا

اُن قزاق حملہ آوروں کی سرکوبی بھی جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے جو راستوں

میں لوگوں سے مزاحمت کر کے ان کا مال چھینتے ہیں۔ یہ رہزن دیہات کے عرب، ترکمان، کرد، زراعت پیشہ لوگ، یا فاسق لشکری ہوتے ہیں۔ رب العالمین اپنے کلام میں فرماتا ہے:۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملک میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے (سیدھے) کاٹ دیئے جائیں، یا جلا وطن کیے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب مہیا ہے (۵ : ۳۳)

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اپنی مسند میں رہزنوں کی نسبت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب وہ کسی کو ہلاک کریں اور مال لوٹیں تو قتل کیے جائیں اور انہیں سولی دی جائے اور جب قتل کریں اور مال نہ لوٹیں تو قتل کیے جائیں مگر انہیں مصلوب نہ کیا جائے اور جب مال لوٹیں اور قتل سے باز رہیں تو ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف طرف سے کاٹے جائیں اور جب شارع عام کو پر خطر بنائیں اور لوگوں کو خوف زدہ کریں تو ان کو خارج الوطنی کی سزا دی جائے۔

قزاق کو معاف کرنا کسی حالت میں جائز نہیں

یہ امام شافعی، امام احمد رضی اللہ عنہما اور بہت سے دوسرے اہلِ علم کا قول ہے اور

امام ابو حنیفہؒ کا قول بھی اسی کے قریب ہے۔ بعض علماء کے نزدیک امام (یعنی حاکم وقت) کے لئے جائز ہے کہ وہ مقتضیات وقت کو ملحوظ رکھے۔ اگر قتل قرین مصلحت ہو تو قتل کرے اگرچہ اس نے کسی کی جان نہ لی ہو۔ مثلاً وہ غارتگروں کا سردار ہو اور تمام رہزن اس کے تابع فرمان ہوں۔ اور اگر قطع و برید مناسب خیال کرے تو قطع کردے۔ اگرچہ اس نے مال نہ چرایا ہو۔ مثلاً اس صورت میں کہ قزاق بڑا چست و چالاک اور غارتگری میں خاص مہارت رکھتا ہو۔ اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ اگر قطّاع الطریق نے صرف مال لوٹا ہو تو قتل کئے جائیں اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور انہیں سولی دی جائے۔" مگر پہلا اکثر علماء کا قول ہے۔ اور اگر قزاق محاربین میں سے ہو اور اس نے اقدام قتل کیا تو امام پر واجب ہے کہ اس کو حدّاً موت کے گھاٹ اُتار دے۔ اور اس کو معاف کرنا کسی حالت میں باجماع العلماء جائز نہیں ہے۔ اس کو ابن المُنذر نے لکھا ہے۔

مقتول کے وارثوں کو بھی اس کے چھوڑنے کا اختیار نہیں۔ بخلاف اس صورت کے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو عداوت کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے ہلاک کر دیا ہو تو مقتول کے اولیاء کو ہر طرح سے اختیار ہے۔ چاہیں تو قاتل کی جان لیں اور چاہیں تو معاف کر دیں یا خون بہا لے لیں کیونکہ قاتل نے کسی خاص غرض کے ماتحت جان لی ہے۔

جب قاتل ممتاز و سربرآوردہ اور مقتول کم حیثیت ہو

لیکن محارب چونکہ لوگوں کا مال لوٹنے کے لیے قتل کرتے ہیں اور ان کا ضرر عام ہے اس لیے ان کا قتل حدودِ شرعیہ میں داخل ہے۔ اور اس پر تمام فقہا متفق ہیں۔ اور اگر مقتول قاتل کے مقابلہ میں کمزور اور کم حیثیت ہو مثلاً قاتل آزاد اور مقتول غلام ہو یا قاتل مسلمان اور مقتول ذمی یا مستامن ہو تو اس میں فقہا مختلف الرائے ہیں کہ وہ محاربہ کی بنا پر قتل کیا جائے گا یا نہیں۔ سب سے قوی مذہب یہی ہے کہ قاتل ہلاک کیا جائے گا کیونکہ اس نے فساد عام کے لیے خونریزی کی ہے جیسا کہ ان کے اموال لینے کی صورت میں اس کے ہاتھ پاؤں قطع کیے جائیں گے اور جیسا کہ آزاد ان کے حقوق کے لیے قید کیا جائیگا۔

مرتکب اور معاون کی مساویانہ حیثیت

جب اہل محاربہ قزاقوں کی ایک جماعت ہو اور قتل کا ارتکاب ان میں سے ایک ہی شخص نے کیا ہو اور باقی اس کے معاون ہوں تو جمہور کے نزدیک سب ہلاک کیے جائیں گے۔ اس بارہ میں مرتکب اور معاون مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی خلفائے راشدین سے ماثور ہے۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے محاربوں کے ربیہ کو بھی قتل کرایا تھا۔ ربیہ غارتگروں کے اُس پاسبان کو کہتے

ہیں جو غازنگری کے وقت کسی بلند مقام پر چڑھ کر چاروں طرف آنے والوں کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ مرتکب اور معاون اس بنا پر جرم میں مساوی رکھے گئے ہیں کہ اس نے ساتھیوں کی امداد سے قتل پر قدرت پائی۔ اور جب کوئی جماعت دوسروں کی مدد سے کسی کار خیر یا بد کو انجام دے تو وہ سب ثواب یا عقاب میں مشترک ہوتے ہیں جیسے کہ مجاہدین سب کے سب ایک دوسرے کے شریک حال رہتے ہیں۔

اغیار کے مقابلہ میں متحد ہونا چاہیئے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان قصاص و دیت میں باہم برابر ہیں۔ (یعنی شریف و وضیع کا کوئی فرق نہیں) ادنیٰ مسلمان بھی ان کے ذمہ کے ساتھ سعی کر سکتا ہے (یعنی کوئی کم حیثیت مسلمان بھی کسی کافر کو امان دے تو تمام مسلمانوں پر اس امان کا قبول کرنا لازم ہوگا) اور اس پر بھی لوٹا تا ہے جو ان سے بہت دور ہو (مثلاً ایک لشکر کے آدمی آگے پیچھے جا رہے ہیں۔ اگلوں کو کچھ مال ملا۔ پچھلے بھی گو ان سے دور ہوں اس مال میں شریک ہونگے) سب مسلمان غیروں کے مقابلہ میں ایک ہاتھ کا حکم رکھتے ہیں (یعنی اغیار کے مقابلہ میں سب مسلمانوں کو یکدل و متحد رہنا چاہیئے)۔

معاون غنیمت میں مجاہدین کے شریک ہیں

جو فوج لشکر کے پچھلی طرف ہو وہ غنیمت میں اس لئے شریک ہے کہ وہ لشکر کے اگلے حصے

کی قوت و تمکین کا باعث ہوتی ہے۔ اور عقب سے اس کی محافظ ہے۔ لیکن یہ حصہ خمس کے حصّے کے علاوہ ہوگا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی۔ آپ سریّہ کو ابتداء جہاد میں خمس نکالنے کے بعد چوتھائی زیادہ دیا کرتے تھے اور جب سریّہ اپنے وطن کو واپس آتا تھا تو خمس نکالنے کے بعد ثلث کا اضافہ فرماتے تھے۔ اسی طرح اگر کسی لشکر کو مالِ غنیمت ملتا تھا تو آپ سریّہ کو بھی اس میں شریک کرتے تھے کیونکہ سریّہ لشکر ہی کی فلاح و بہبود کے لیے نقل و حرکت کرتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن حضرات طلحہ و زُبیر رضی اللہ عنہما کو لشکر ہی کی مصلحت و ضرورت سے ایک جگہ بھیجا تھا۔

باطل کی پیروی میں مقاتلہ کرنے والے

اسی طرح وہ لوگ بھی ظالم ہیں جو بلا تاویل کسی باطل امر کے پیچھے پڑ کر مقاتلہ کرتے ہیں مثلاً عصبیّت اور دعوائے جاہلیّت پر خونریزی کرنے والے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان تلوار سونت کر ایک دوسرے کے مقابلہ پر آئیں (اور کوئی ان میں سے مارا جائے) تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ التماس کی گئی یارسول اللہ! قاتل تو اس بنا پر جہنمی ہوا کہ اس نے ایک مسلمان کی جان لی، مقتول کیوں واصلِ جہنم ہوگا؟ فرمایا وُہ بھی اپنے فریقِ مقابل کے قتل میں کوشاں تھا۔ متذکرہ صدر دونوں حدیثیں بخاری اور مسلم نے روایت کی ہیں

اور فریقین میں سے ہر طائفہ اُس نقصان کا ضامن ٹھہرتا ہے جو اس نے دوسرے کی جان و مال میں پہنچایا۔ اگرچہ قاتل علی الیقین معلوم نہ ہو۔

مال لوٹنے والوں کو ہاتھ پاؤں قطع کرنے کی سزا

اور اگر انہوں نے فقط مال لوٹا اور کسی کی جان نہ لی جیسا کہ عرب صحرانشینوں کا عام معمول ہے تو اکثر علماء جیسے ابو حنیفہ، شافعی، احمد وغیرہم کے نزدیک ہر ایک کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اور اس ارشاد خداوندی کے یہی معنی ہیں کہ ان کے مقابل کے (اُریبوان) ہاتھ اور پاؤں کاٹے جائیں یا ان کو دیس نکالا دیا جائے۔ یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے عذاب عظیم مہیا ہے (۵: ۳۳)

ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد مجرم کے ہاتھ اور پاؤں کو اُبلتے ہوئے روغن زیتون یا اس قسم کی کسی اور چیز سے داغ دیا جائے تاکہ خون نکلنا بند ہو جائے کیونکہ اگر روانیٔ خون کو نہ روکا جائے گا تو سیلانِ خون اس کو ہلاک کر دیگا۔

ہاتھ پاؤں کٹنے کی عبرت انگیزی

ہاتھ پاؤں کٹنے کی سزا قتل سے بھی زیادہ عبرت انگیز ہے۔ کیونکہ صحرانشین عرب اور فاسق لشکری جب ہمیشہ دست و پا بریدہ دکھائی دیتے ہیں تو ان کو دیکھ کر

ہر شخص سبق آموز ہوتا ہے اور پھر کسی دل میں اس ارتکاب جرم کی جرأت نہیں رہتی بخلاف قتل کے کہ اس کو لوگ بہت جلد بھول جاتے ہیں۔ اور بعض مجرم تو ہاتھ پاؤں کے قطع کئے جانے پر قتل ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قطع دست دپا کی سزا تمام سزاؤں سے زیادہ سخت ہے اور جب وہ اسلحہ کی نمائش کریں مگر قتل و غارت سے باز رہیں اور پھر تلواروں کو میان میں کرلیں یا بھاگ جائیں اور لڑائی سے دست بردار ہوں تو نفی یعنی خارج الوطن کئے جائیں بعض کہتے ہیں کہ نفی کرنے سے مراد ان کا بھگا دینا ہے یعنی ان کو کسی شہر میں نہ رہنے دیں۔ بعض نے کہا کہ نفی کرنے سے مراد ان کو قید کر دینا ہے اور بعض علماء کے نزدیک امام (یعنی حاکم وقت) کو شرعاً اختیار ہے کہ جس طرح مصلحت وقت دیکھے اُس پر عمل کرے۔ خواہ دیس نکالا دے یا قید کرے یا کوئی اور سزا دے۔

قتل مشروع

قتل مشروع تلوار سے گردن اڑا دینا یا اسی قسم کا کوئی اور طریقہ اختیار کرنا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا قتل کی تمام قسموں میں سب سے زیادہ سریع العمل ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ جن آدمیوں اور چوپایوں کو مارنا جائز ہے اُن کو اسی طریقہ سے بیجان کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا لازم کیا ہے پس جب تم کسی جاندار کو مارنا چاہو تو حسن و خوبی کے ساتھ اس کی جان لو اور کسی

جانور کو ذبح کرو تو حسن و خوبی کے ساتھ ذبح کرو اور چاہیئے کہ اپنی چھری کو خوب تیز کر لیا کرو تاکہ اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ قتل کرنے کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے زیادہ پارسا اہل ایمان ہیں۔

صلیب دینا یا دار پر کھینچنا

صلیب دینا یا دار پر کھینچنا یہ ہے کہ مجرموں کو ایک بلند مکان پر چڑھا دیا جاتا ہے تاکہ لوگ ان کو دیکھیں اور ان کے جرم کی نوعیت ہر ایک کو معلوم ہو جائے۔ جمہور علماء کے نزدیک عمل رفع، قتل کے بعد ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بعض کے نزدیک مجرم صلیب پر چڑھا کر پیچھے قتل کیے جانے چاہئیں۔ اور بعض فقہا نے تلوار کے بغیر بھی ان کا قتل جائز رکھا ہے جس کی ان کے نزدیک یہ صورت ہے کہ کسی بلند مقام پر چھوڑ دیے جائیں یہاں تک کہ بلا قتل خود بخود طعمۂ اجل ہو جائیں۔

دشمن کے کان اور ناک کاٹنے کی ممانعت

قتل میں مجرم کی تمثیل (یعنی اس کے ناک اور کان کاٹنا) جائز نہیں۔ ہاں اگر اس نے کسی کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہو تو قصاص میں ناک کان کاٹنا جائز ہے۔ حضرت عمران ابن حصین صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا

خطبہ نہیں دیا جس میں ہم کو صدقہ دینے کا حکم نہ دیا ہو اور مُثلہ کرنے (یعنی ناک کان کاٹنے) کی ممانعت نہ فرمائی ہو۔ اسی تعلیم کا اثر ہے کہ ہم کفّار تک کو بھی جب قتل کرتے تو کبھی کسی کو مُثلہ نہیں کرتے۔ نہ کسی کا پیٹ پھاڑتے ہیں، نہ کان یا ناک کاٹتے ہیں بجز اُس صورت کے کہ اُس نے کسی مسلمان سے یہ سلوک کیا ہو۔ گو ہم قصاص میں ایسا کرنا جائز سمجھتے ہیں لیکن اس فعل سے دست بردار رہنے کو افضل سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ اور اگر تم مخالفوں کے ساتھ سختی کرو تو ویسی ہی سختی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہو اور اگر لوگوں کی زیادتی پر صبر کرو تو بہر حال صابروں کے لیے صبر بہتر ہے (۱۲۶:۱۶)

کہتے ہیں کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب مشرکین مکّہ نے حضرت حمزہ رضؓ اور دوسرے شہدائے اُحد کے ناک کان کاٹے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالےٰ نے مجھے اُن پر قابو دیا تو میں ان کے دو چند آدمیوں کے ناک کان کاٹوں گا۔" لیکن اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس خیال سے منع کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اس پر صبر کرتے ہیں۔ گو یہ آیت ایک مرتبہ مکّہ میں بھی نازل ہو چکی تھی مگر مقتضائے خطاب کے سبب سے دوبارہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور صحیح مسلم میں بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سریّہ یا لشکر پر کسی کو امیر بنا کر بھیجتے تو اُسے تقویٰ اللہ کی اور اپنے مسلمان رفقا سے سفر کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیّت کیا کرتے تھے۔ اس کے

بعد فرمایا کرتے کہ اللہ کا نام لے کر فی سبیل اللہ غزا کرنا۔ کسی کام میں حد سے تجاوز نہ کرنا کسی سے غداری اور بے وفائی نہ کرنا۔ کسی کافر کے ناک، کان نہ کاٹنا۔"

صحرا اور آبادی میں لوٹ مار کرنا یکساں ہے

اگر قزاق نے آبادی میں گھر کی چار دیواری کے اندر مال لینے کے لئے ہتھیاروں کی جھنکار دکھائی تو بعض علماء کے نزدیک وہ محارب نہیں کیونکہ گھر والوں کو آبادی میں ہر طرف سے مدد مل سکتی ہے لیکن اکثر علماء کے نزدیک آبادی اور صحرا کا ایک ہی حکم ہے اور یہی امام مالکؒ کا مشہور مذہب ہے۔ شافعیؒ اور اصحاب احمدؒ اور بعض اصحاب ابی حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ بلکہ مفسد لوگ صحرا کی نسبت آبادی میں لوٹ مار کرنے پر سزا کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ آبادی امن اور طمانیت کا محل ہے اور یہی وجہ بھی کہ ہر طرف سے لوگوں کی امداد پہنچ سکتی ہے۔ پس لوگوں کا ہجوم شدتِ محاربہ کا مقتضی ہے۔ علاوہ بریں گھر سے آدمی کا سارا مال لوٹا جا سکتا ہے لیکن مسافرت میں عموماً آدمی کا سارا مال و اسباب ساتھ نہیں ہوتا۔ غرض یہی مسلک صحیح ہے خصوصاً ان اوباشوں کے لئے جن کو لوگ شام اور مصر میں عام طور پر منسر کہتے ہیں اور بغداد کے عیاروں کیلئے بھی یہی مناسب ہے۔

مال چھیننے کی ہر کوشش جنگجوئی ہے

اگر لاٹھیوں یا ہاتھوں اور فلاخنوں سے پتھر پھینک کر یا اس قسم کے کسی اور طریقے سے

جنگ کریں تو بھی وہ محارب ہیں۔ محارب یا غیر محارب ہونے کے متعلق اور بھی اقوال ہیں لیکن راہ صواب جس پر جماہیر مسلمین ہیں، یہ ہے کہ کسی طریق پر بھی مال چھیننے کے لئے جس نے لڑائی کی وہ حربی ہے اور مسلمانوں میں سے جس کسی نے کفار سے تلوار، تیر برسے، پتھر یا لکڑی کے ساتھ مقاتلہ کیا وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ اور اگر کوئی مال لینے کے لئے لوگوں کو مخفی طریق پر قتل کرتا ہے مثلاً دکان کرایہ پر لے کر مسافروں کو اس میں جگہ دینا اور ان کو تنہا پا کر قتل کر دینا۔ مثلاً دکان کرایہ پر لے کر مسافروں کو اس میں جگہ دینا اور ان کو تنہا پا کر قتل کر دینا اور اس طرح مقتول کے مال پر قبضہ جما لیتا ہے۔ یا درزی، طبیب یا کسی دوسرے مستاجر کو اپنے گھر پر بلا کر قتل کرتا اور ان کے مال پر قبضہ کر لیتا ہے۔ اس قسم کے قتل کو عربی زبان میں غیلہ کہتے ہیں۔

فقہا اس شخص کے بارہ میں بھی مختلف الرائے ہیں جو سلطان اسلام کی جان لے جیسے امیر المومنین حضرت عثمان اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہما کو قتل کیا گیا تھا۔ کیا ایسا شخص محاربین کے حکم میں ہے کہ لازماً قتل کیا جائے یا اس کا معاملہ مقتول کے وارثوں کے ہاتھ میں ہوگا؟ امام احمد وغیرہ کے مذہب میں اس پر دو قول ہیں کیونکہ سلطان کے قتل میں فساد عام ہے۔

وہ غارتگر جو حاضری سے پہلوتہی کریں

بہ سبب اس صورت میں ہے کہ ان پر قابو پالیں۔ لیکن جب سلطان یا اس کے کسی

نائب نے ان کو حدِ شرعی جاری کرنے کے لیے طلب کیا اور انہوں نے حاضری سے انکار و اعراض کیا تو باتفاقِ علماء مسلمانوں پر واجب ہے، کہ ان سے قتال کریں یہاں تک کہ ان سب پر قابو پالیں۔ اور جب قتال کے بغیر کسی طرح مطیع و منقاد نہ ہوں تو ان کا یہ فعل ان سب کے قتل کو مباح کر دیگا۔ ان لوگوں سے جنگ خواہ ہونا اُن تمام گروہوں کے قتال سے زیادہ موکد ہے جو شرائع اسلام سے سرتابی کرتے ہیں۔ انہوں نے رعایا کے جان و مال کو نقصان پہنچانے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرنے کے لئے گروہ بندیاں کر رکھی ہیں۔ ان کا مقصود اقامتِ دین یا خدمتِ مُلک نہیں بلکہ یہ فتنہ پرداز اُن مبارزت خواہوں کی مانند ہیں جنہوں نے کسی قلعہ یا غار یا پہاڑ کی چوٹی یا کسی وادی کے بطن وغیرہ مقامات میں پناہ لے رکھی ہو اور ہر اُس شخص کو جو ادھر سے گذرے لوٹ لیتے ہوں اور جب شاہی لشکر آکر ان سے مطالبہ کرے کہ وہ اطاعت کر کے جماعت المسلمین میں داخل ہو جائیں تو اس سے برسرِ جنگ ہوں جیسے وہ صحرا نشین عرب جو حاجیوں یا دوسروں کی راہ لوٹتے ہیں اور لوٹ مار کر پہاڑوں اور غاروں میں پناہ لیتے ہیں یا وہ قزاق جو شام اور عراق کے درمیان رہزنی کرتے ہیں۔

مسلمان قزاق کفار کے حکم میں نہیں

اُن سے قتال کرنا مثل جنگ کفار کے نہیں ہے کیونکہ وہ کفار نہیں۔ بس ان کا مال

نہ لیا جاتے بجز اُس صورت کے کہ انہوں نے ناحق مسلمانوں کا مال لوٹا ہو۔ وہ اموال المسلمین کے جواب دہ ہیں۔ پس اُن سے اس اندازہ پر مال وصول کر لیا جائے جو انہوں نے لوٹا ہو اگرچہ معیّن طور پر ان کی غارتگری کی مقدار معلوم نہ ہو۔ اور اگر مال کی صحیح مقدار معلوم ہو تو ان سے اسی قدر وصول کیا جائے جتنا انہوں نے لیا ہو اور پھر ان کے مالکوں کے حوالے کیا جائے۔ ان رقوم کی واپسی کے بعد کچھ بچے وہ اسلامی ضروریات پر خرچ کیا جائے مثلاً اس فوج پر جو ان سے لڑی ہے۔ ان سے محاربہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان ان پر قابو پائیں یہاں تک کہ ان کے خلاف حدود اللہ جاری کئے جائیں اور فتنہ و فساد کی جڑ کٹ جائے اور اگر باغیوں میں سے کوئی شخص شدید زخمی ہو جائے تو اس کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے مگر اس صورت میں کہ اس کا قتل واجب ہو۔ اور اگر کوئی قزاق بھاگ جائے تو اچھا ہے کیونکہ خلق خدا نے اس کے شر سے نجات پائی۔ ایسی حالت میں ہم اُس کا پیچھا نہ کریں گے بجز اُس صورت کے کہ اُس پر کوئی شرعی حد لازم نہ آتی ہو یا اس کی طرف سے مسلمانوں کو خطرہ ہو۔ ان غارتگروں میں سے جو کوئی قید کر لیا جائے گا اس پر وہی حد جاری ہوگی جو دوسروں کو ماری جاتی ہے۔

اور بعض فقہا اس میں تشدد کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ ان کا مال بطور غنیمت لے لینے اور اس میں سے خمس نکالنے کے بھی قائل ہیں لیکن اکثر فقہا نے اس سے انکار کیا ہے۔ البتہ اگر وہ بھاگ کر کسی ایسے گروہ سے جا ملیں جو شریعت اسلام سے

خارج ہو اور مسلمانوں کے خلاف ان کو مدد دیں تو ان سب سے یکساں قتال کیا جائیگا۔ اور ان لوگوں کے لئے جن کا مال چھیننے کی کوشش کی گئی ہو باتفاق المسلمین جائز ہے کہ محاربین سے مقابلہ کریں اور مقابلہ و مقاتلہ پر قدرت رکھنے کی حالت میں ان پر یہ واجب نہیں کہ جان بچانے کی خاطر اپنا زیادہ یا کم مال ضرور ان کے حوالے کر دیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے۔ جو کوئی جان کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے۔ جب ظالم کی چیرہ دستی کا مقصد حصول مال ہو تو جائز ہے کہ لڑائی کئے بغیر کچھ مال دے کر اس کو دفع کر دیا جائے۔

حفظ ناموس کیلئے ادر جان پر کھیل جانا

جب کوئی نابکار حرمت و ناموس کا طلبگار ہو مثلاً کسی کے محارم سے حرامکاری کا ارتکاب کرنا چاہتا ہو یا عورت سے فسق و فجور کا خواہشمند ہو تو پھر انسان پر واجب ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کو دفع کرے اگرچہ کشت و خون تک نوبت پہنچے اور یہ کسی طرح جائز نہیں کہ اس کو اپنے اوپر قابو دے۔ بخلاف مال کے کہ اس پر تصرف کرنے کی اجازت دینا شرعاً روا ہے کیونکہ بذل مال جائز ہے لیکن فجور بالنفس اور ناموس کی قربانی کسی طرح جائز نہیں اور جب حملہ آور کا مقصد جان ستانی ہو تو مدافعت کرنی جائز ہے۔

اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ حفظ و دفاع واجب ہے یا نہیں؛ اس کے متعلق امام احمد وغیرہ کے مذہب میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ مدافعت واجب ہے دوسرا یہ کہ واجب نہیں لیکن وجوب عدم وجوب کی یہ بحث اُس صورت میں ہے کہ مسلمانوں کا کوئی سلطان ہو لیکن جب عیاذاً باللہ کوئی فتنہ اُٹھ کھڑا ہو۔ مثلاً مسلمانوں کے دو سلطانوں میں اختلاف و نزاع ہو اور باہم رزم و پیکار تک نوبت پہنچے۔ تو اس تصادم میں اگر ایک سلطان دوسرے کے شہر میں داخل ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم کرے۔ تو کیا اس فتنہ میں کسی انسان کے لئے جائز ہے کہ اپنی طرف سے مدافعت کرے یا اپنے آپ کو سونپ دے اور مقابلہ نہ کرے؟ امام احمد وغیرہ کے مذہب میں اس کے متعلق اہل علم کے دو قول ہیں۔

اموال مغصوبہ کی واپسی اور حدود شرعیہ جاری کرنے کا وجوب

جب سلطان جنگجو رہزنوں کی مدد سے فتح پالے اور انہوں نے لوگوں کے اموال لے لیے ہوں تو سلطان پر واجب ہے کہ نہ صرف یہ کہ لوگوں کے اموال ان سے واپس دلائے بلکہ اس پر لازم ہے کہ غاصبوں اور غارتگروں پر حد شرعی جاری کرے۔ اور اگر بعد اس کے کہ ان کے خلاف ثبوت بہم پہنچ چکا ہو وہ مال حاضر کرنے میں لیت و لعل کریں تو ان کو قید و بند اور جسمانی اذیت کی سزا دے یہاں تک کہ وہ مال لا حاضر کریں یا حاضر کرنے کی ضمانت دیں یا اس جگہ کی نشان دہی کریں جہاں مال رکھا ہو

اس قسم کا مطالبہ کرنا صاحبِ مال کا حق ہے اور اگر وہ یہ مال ان کو ہبہ کر دے یا اس پر مصالحت کرلے یا ان کی عقوبت معاف کر دے تو اسے اس کا پورا اختیار ہے بخلاف حدّ کے جو اُن پر لازم ہو کیونکہ حدّ شرعی کسی حالت میں معاف نہیں ہو سکتی اور امام یعنی حاکمِ وقت کے لئے جائز نہیں کہ صاحبِ مال کو اپنا کچھ حق چھوڑنے پر ملزم گردانے۔ اور اگر اموال تلف ہو چکے ہوں مثلاً غارتگر یا سارق کھا گئے ہوں تو وہ ان کے ذمّے اسی طرح واجب الادا ہونگے جس طرح دوسرے غاصبِ مال مغصوبہ کے ضامن ہوتے ہیں یہ قول شافعی اور احمد رضی اللہ عنہما کا ہے۔ پس اس مال کے لئے نادار اور تنگ دست آدمیوں کو اُس وقت تک مہلت دی جائے گی جب تک انہیں آسودگی نہ ہو جائے اور بعض علما نے فرمایا ہے کہ تاوان اور قطع دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ صرف اُس صورت میں ضامن ہو گا جب کہ اُس کی مالی حالت درست ہے تنگی کی حالت میں وہ کفیل نہ ہو گا اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

متموّل و بااثر لوگوں کو مجبور کرنے کی ناگواری

سلطان کے لئے یہ روا نہیں کہ متموّل و بااثر لوگوں کو جنگجو باغیوں کی تلاش اور اقامت حدّ اور لوگوں کا مال باغیوں سے وصول کر کے باغیوں تک پہنچانے پر مجبور کرے۔ اسی طرح ان کو چوروں کی تلاش پر مجبور کرنا بھی روا نہیں۔ نہ اپنے لئے

اور نہ اُس لشکر کے لیے جس کو بادشاہ چوروں کی تلاش میں بھیجے۔ بلکہ ان کی تلاش و جستجو خود ایک طرح کا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ پس ان کی تلاش میں لشکرِ اسلام کو اسی طرح نکلنا چاہیے جس طرح وہ غزوات کے لئے نکلتا ہے اور اس لشکر پر وہی مال خرچ کرنا چاہیئے جو دوسرے غازیوں کے نفقہ پر خرچ کیا جاتا ہے۔ اگر مجاہدین فی سبیل اللہ کے پاس کچھ قطعات زمین، یا عطایا ہوں اور وہ ان کی ضروریات جہاد کے لیے اکتفا کریں تو بہتر ورنہ سلطان کو چاہیئے کہ ان کو اتنا مال دے جو ان کے غزوہ کی ضروریات کا کفیل ہو سکے۔ کیونکہ یہ بھی انفاق فی سبیل اللہ کا ایک شعبہ ہے۔

اور اگر محاربے ہزن زیادہ شوکت و حشمت کے مالک ہوں جس کے باعث ان کی تالیف قلوب کی ضرورت ہو تو اگر امام ان کے کسی رئیس کو اس غرض سے کچھ عطا کرے کہ وہ باقیوں کو لا حاضر کرے۔ یا اپنی شر انگیزی سے باز آئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو کہ دوسرے بھی ضعیف اور پست ہمت ہو جائیں تو یہ جائز ہے اس قسم کے لوگ مؤلفۃ القلوب کے زمرہ میں داخل ہونگے۔ اس عطاء و بخشش کا جواز احمد وغیرہ متعدد ائمہ سے مروی ہے اور یہ کتاب و سنت اور اصولِ شریعت سے ثابت ہے۔

لیکن امام کو ایسا لشکر بھیجنا جائز نہیں جو رہزنوں کے مقابلہ سے عاجز ہو یا تاجروں اور مسافروں سے کچھ وصول کرنے لگے بلکہ اسے ہمیشہ ایسا لشکرِ جرار بھیجنا چاہیئے جو حربی صلاحیت کے ساتھ دیانت و امانت کی صفت سے بھی

موصوف ہو۔ اور اگر ایسا لشکر مہیا نہ ہو تو پھر اس سے کمتر اوصاف کی جو جمعیت بھی فراہم ہو سکے بھیجی جائے۔

وہ رؤسا جو رہزنوں کی لوٹ مار میں حصہ دار ہوں

اگر سلطان کا کوئی نائب یا دیہات کے رؤسا در پردہ یا علانیہ رہزنوں سے ملے ہوں۔ ان کی لوٹ مار میں حصہ دار ہوں اور ان کی طرف سے مدافعت کرتے ہوں تو یہ بہت بڑا جرم ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور اکثر اہلِ علم کے نزدیک اگر ڈاکو کسی کو قتل کریں تو یہ نائب یا رئیس بھی قتل کیا جائے گا اور اگر مال لیا ہو تو اس کے بھی ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے اور اگر قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو یہ بھی قتل کر کے صلیب پر چڑھایا جائیگا۔ اور اہلِ علم کی ایک جماعت نے فرمایا کہ اس کے ہاتھ پیر بھی کاٹے جائیں گے، قتل بھی کیا جائے گا اور صلیب پر بھی چڑھایا جائیگا۔

اور اگر نائب یا رئیس قزاقوں کو قتل و غارت کی تو اجازت نہ دے لیکن جب ان پر قابو پائے تو مال میں ان کا حصہ دار بن کر کسی حدِ شرعی یا حقوق کو معطل کرے یا کسی محارب یا چور یا قاتل یا اس قسم کے دوسرے مجرم کو جس پر حد واجب ہے، یا اللہ تعالےٰ یا کسی آدمی کا حق لازم ہے اپنے ہاں پناہ دے یا اس کی حمایت کرے تو وہ بھی جرم میں اس کا شریک ہے اور اللہ تعالےٰ نے اور اس

کے رسول نے اس پر لعنت کی ہے مسلم رح نے اپنی صحیح میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُس شخص پر لعنت کرے جو کوئی بدعت نکالے یا کسی بدعتی کو جگہ دے۔

اُس شخص کا حکم جو مالِ واجب کے حاضر کرنے میں لیت ولعل کرے

جب اُس شخص پر جس نے کسی بدعتی کو جگہ دی قابو ملے تو اُسے حکم دیا جائیگا کہ بدعتی کو لا کر حاضر کرے یا اس کا پتہ نشان بتائے۔ اگر وہ اس سے اعراض کرے تو اس کو قید کر کے بار بار زدوکوب کریں۔ یہاں تک کہ بدعتی آموجود ہو۔ اسی طرح اس شخص کو بھی سرکوب کیا جائیگا، جو مالِ واجب کے حاضر کرنے میں لیت ولعل کرے۔ پس جب کبھی بھی اُن آدمیوں یا مالوں کے پیش کرنے سے اجتناب کیا جائے جن کا حاضر کرنا واجب ہو تو مجرم پر سختی کی جائیگی اور اگر کسی کو معلوم ہو کہ شخص مطلوب کہاں ہے یا مالِ مطلوب کہاں مخفی رکھا ہوا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس کی خبر دے اور صحیح طور پر اس کا پتہ نشان بتائے۔ اس کے لئے چھپانا کسی طرح جائز نہیں کیونکہ اس کی اطلاع دینا تعاون علی البر والتقویٰ کی قبیل سے ہے اور یہ واجب ہے بخلاف اس صورت کے کہ راہ باطل میں کسی جان، مال یا کسی اور چیز کی تلاش ہو جس کے بتانے کی صراحۃً ممانعت ہے کیونکہ باطل کی تائید میں کوئی اطلاع دینا تعاون علی الاثم والعدوان کی قسم سے ہے۔ بلکہ دریافت کرنے والوں کو بلطائف

العجیل ٹال دینا چاہیے کیونکہ مظلوم کی مدد کرنا واجب ہے۔

ظالم کو ظلم سے روکنا

صحیح بخاری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ حضرت انس رضؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ! میں مظلوم کی تو مدد کرتا ہوں۔ لیکن ظالم کی کس طرح مدد کی جا سکتی ہے؟ فرمایا اس کو ظلم سے روک دو۔ یہی اس کی مدد کرنا ہے اس کو مسلم نے بھی جابر رضؓ سے روایت کیا ہے۔ اور صحیحین میں براء بن عازب رضؓ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سات باتوں کا حکم دیا اور سات کی ممانعت فرمائی۔ مریض کی عیادت، جنازے کی پیروی، چھینکنے والے کو جو الحمدللہ کہے یرحمک اللہ کہہ کر دعا دینے، سلام کا جواب دینے، قسم پوری کرنے دعوت قبول کرنے اور مظلوم کی مدد کرنے کا حکم دیا اور سونے کی انگوٹھی پہننے، چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے، قمار بازی، اور ریشم، قز، استبرق اور دیباج پہننے سے منع فرمایا۔

نشان دہی نہ کرنے والے کی عقوبت

اگر علم رکھنے والا شخص روپوش آدمی یا مالِ مطلوب کی نشان دہی کرنے سے گریز

کرے تو قید وغیرہ کے ذریعہ سے اُس کی عقوبت جائز ہے اور یہ سختی اُس وقت تک برابر جاری رہے گی جب تک وہ پتہ نشان نہ بتلائے کیونکہ وہ اُس اظہارِ حق سے پہلو تہی کرتا ہے جو اُس پر واجب تھا لیکن یاد رہے کہ یہ عقوبت اسی حالت میں واجب ہے جب اُس بات کا یقین کامل ہو کہ وہ شخصِ مخفی یا مالِ مستور کے حال پر مطلع ہے۔ اور اس جاننے والے سے اس قسم کا مطالبہ اس حق کی وجہ سے نہیں ہے جو کسی دوسرے شخص پر واجب ہے اور نہ یہ عقوبت دوسرے کی خیانت پر ہے جس کی وجہ سے اس ارشادِ خداوندی کی ولا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ (کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ (اپنی گردن پر) نہیں لے گا (۳۸:۵۳) یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی مخالفت لازم آئے کہ ہر جرم کی سزا اسی شخص کو دی جائے جو اس جرم کا مرتکب ہو" بلکہ وہ شخص اپنے ہی گناہ کی پاداش میں شکنجۂ عذاب میں کسا جاتا ہے کیونکہ انصاف اور حق رسی کے لئے ظالم کے حاضر کئے جانے کی ضرورت ہے مگر اُس شخص کو ظالم کے مقام اختفاء کا علم رکھنے کے باوجود بتلانے سے انکار ہے اور وہ اس مخفی مقام کا علم رکھتے ہوئے جس کا تعلق حقوقِ مسلمین سے ہے اُس کی داد رسی اور نصرت واجبہ سے پہلو تہی کرتا ہے جس پر کتاب و سنت اور اجماع کی شہادت موجود ہے۔

اور ظالم کی تائید و حمایت کرنے کے بارہ میں جیسا کہ اہل معصیت ایک دوسرے کی کرتے ہیں اور مظلوم سے بغض و عناد رکھنے کی نسبت رب العالمین فرماتا ہے

اُور لوگوں کی عداوت تم کو اِس جُرم کے اِرتکاب کا باعث نہ ہو کہ انصاف نہ کرو (نہیں بلکہ ہر حال میں) انصاف کرو کہ شیوۂ انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے (۵ : ۸) اور یہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ نصرتِ الٰہی، نصرت رسول اور نصرتِ دین کے تارک، محض کمزوردلی اور دون ہمتی کی راہ سے قیام عدل و انصاف سے پہلوتہی کرتے ہیں حالانکہ رب العالمین نے اس کو اپنے بندوں پر واجب کر دیا ہے۔ ایسے لوگوں سے جب کہا گیا کہ راہِ خدا میں لڑنے کے لئے نکلو تو وہ زمین پر ڈھیر ہوئے جاتے ہیں۔

بہر حال علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سارق اور مال مسروقہ کا راز مخفی رکھنے والا عقوبت کا مستحق ہے۔ اور جو کوئی ایسی بے راہ روی اختیار کرے وہ حدود شرعیہ کو معطّل اور حقوق کو ضائع کرتا ہے۔ ایسا کرنے سے ہر جگہ قوی ضعیف کو کھا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی خدا ناترس نے کسی کا مال چھین لیا ہے یا قرض لے کر دینے کا نام نہیں لیتا۔ اور کسی شخص کے پاس اس ظالم کا مال جمع ہے۔ حاکم عادل چاہتا ہے کہ اگر وہ شخص ظالم کا مال اس کے حوالے کر دے تو وہ مظلوم کے اہل و عیال کا خرچ یا اقارب، لونڈی غلاموں اور بہائم کے واجبات ادا کرتے ہیں مظلوم کی مدد کرے، مگر وہ شخص جس کے پاس ظالم کا مال جمع ہے حاکم کے سپرد کرنے سے انکار کرتا ہے۔

الغرض زد و کوب یا کوئی اور تعزیر اس شخص کے لئے ہے جب پر کسی چور یا

مال مسروقہ کا حاضر کرنا واجب ہو اور وہ علم رکھنے کے باوجود نہ تو اس کو حاضر کرتا ہے اور نہ کوئی کھوج بتاتا ہے جیسا کہ رہزنوں چوروں اور ان کے حامیان کار کا عام معمول ہے۔

ظلم سے بچانے کی نیت سے ملزم کی حوالگی سے پہلوتہی

لیکن اگر وہ بدیں احتمال حاضر کرنے یا خبر دینے سے پہلوتہی کرتا ہے کہ طلب کرنے والا اُس پر ظلم و تعدی کرے گا تو وہ شخص نیک کردار اور محسن ہے۔ بسا اوقات یہ دونوں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں، اس لئے حاکم پر واجب ہے کہ حق اور باطل میں تمیز کرے۔ دیہات کے اکثر چودھریوں کی یہ حالت ہے کہ جب اُن سے کوئی شخص پناہ مانگتا ہے یا چودھری اور اس پناہ گزین میں کوئی قرابت یا دوستی ہو تو یہ چودھری عام طور پر حمیت جاہلیت کے اقتضاء سے اس کی حمایت کرتے ہیں۔ اگرچہ پناہ گزین ظالم اور باطل پرست اور مظلوم راستباز اور حق بجانب ہو خصوصاً ایسی حالت میں کہ مظلوم کوئی رئیس ہو۔ جب مظلوم کی طرف سے اس ظالم کی حوالگی کا مطالبہ ہوتا ہے جس نے کسی چودھری کے ہاں پناہ لی ہو تو وہ حوالگی کو اپنے عجز و ذلت پر محمول کر کے اس کے سپرد کرنے سے انکار کر دیتا ہے حالانکہ یہ محض جہالت اور دینی بے حمیتی ہے جو دنیاوی مفسدات کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ صحرا نشین عربوں کی لڑائیاں مثلاً جنگ بسوس جو قبیلہ بنو بکر اور تغلب میں ہوئی اسی قسم کی تھیں اور ترک اور مغل بھی جو ہنوز مشرف باسلام نہ ہوئے تھے مسلمانوں کی اسی بے حمیتی کے باعث دار الاسلام میں داخل ہوئے اور ماوراء النہر اور خراسان کے مسلمان بادشاہوں پر غالب آ گئے تھے اور ظاہر ہے کہ جس کسی نے حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اپنے نفس کو ذلیل کیا، اس نے اس

کو عزّت دی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ معزز و مکرم وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو اور جس شخص نے حق سے روگردانی کر کے اور گناہ کا ارتکاب کر کے عزّت حاصل کرنی چاہی اُس نے اپنے آپ کو ذلیل کیا اور اپنے نفس کی توہین کی۔

رب العالمین فرماتا ہے جو کوئی عزّت کا خواہاں ہو اس کو چاہیے کہ اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری کرے کیونکہ عزّت ساری اللہ تعالیٰ کی (دین) ہے (۳۵ : ۱۰) اور منافقو کی نسبت خدائے عزیز و برتر نے فرمایا۔ "یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو عزّت والے وہاں سے ذلیل لوگوں کو نکال کر باہر کر دینگے حالانکہ (حقیقی) عزّت اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کو حاصل ہے مگر منافق لوگ (اس حقیقت سے) بے خبر ہیں (۶۳ : ۹) اور خاص اس موقع کی نسبت فرمایا۔ اور ایک آدمی ایسا ہے جس کی باتیں آپ کو دنیا کی زندگی میں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنی دلی ارادات پر اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے حالانکہ وہ (منافقوں میں) سب سے زیادہ جھگڑالو ہے اور جب (تمہارے پاس سے) لوٹ کر جاتا ہے تو زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کرتا اور کھیتی باڑی کو اور (آدمیوں اور جانوروں کی) نسل کو تباہ کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ فساد سے بیزار ہے اور جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈر تو شیخی دامنگیر ہو کر اس کو گناہ پر آمادہ کرتی ہے پس ایسے (نابکار) کو جہنم کافی ہے جو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

(۲ : ۲۰۴ - ۲۰۶)

مظلوم کے حفظ و جوار کا وجوب

جس شخص کے پاس آکر کوئی مظلوم پناہ مانگے تو اس پر واجب ہے کہ اس کو پناہ دے لیکن محض اس قول سے کہ میں مظلوم ہوں۔ اس کا دعویٰ ثابت نہیں ہو جاتا۔ بلکہ مختلف ذرائع سے اس کی تصدیق کر لینی چاہیئے۔ اور جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو ظالم کو نرمی کے ساتھ ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اور اگر نرمی کے اثر انداز ہونے کا امکان نہ ہو تو قوت استعمال کرنی چاہیئے۔ اور اگر دونوں یکساں ظالم اور مظلوم ہوں جیسا کہ اہل اہوا ہوتے ہیں یا دونوں غیر ظالم ہوں محض شبہہ تاویل یا غلط فہمی کی بنا پر چپقلش ہو گئی ہو تو دونوں میں مصالحت کرا دینی چاہیئے یا حکم کے ذریعہ سے باہم فیصلہ کرانا چاہیئے۔ خدائے برتر فرماتا ہے" اور اگر مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک فرقہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ حکمِ خدا کی طرف رجوع لائے۔ پھر جب وہ رجوع لے آئے تو فریقین میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کو ملحوظ رکھو۔ بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا دیا کرو۔ اور اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۴۹: ۹-۱۰)

عصبیت جاہلیت کی ایک مثال

اور فرمایا ان لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں نیکی (کا نام) نہیں بجز اس کے جو صدقہ خیرات یا کسی اور نیک کام یا لوگوں میں میل ملاپ کرنے کی ترغیب دے اور جو رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے ایسے نیک کام کرے گا تو ہم قیامت کے دن اس کو اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے (۴: ۱۱۴) اور ابو داؤد نے سنن میں روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یہ بھی عصبیت ہے کہ کوئی شخص امر حق میں اپنی قوم کی مدد کرے؟ فرمایا نہیں عصبیت یہ ہے کہ انسان باطل میں اپنی قوم کی حمایت کرے۔ اس حمایت کی مثال یہ ہے کہ جب اونٹ کوئیں میں گر پڑتا ہے تو اسے دُم سے پکڑ کر باہر کھینچتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں عزاءِ جاہلیت کی ممانعت فرمائی اور جب کوئی مسلمان نسب، شہر، جنس، مذہب یا طریقہ میں اسلام اور قرآن کی دعوت سے نکل جائے اور ان کی خلاف ورزی کرے تو یہ سب عزاءِ جاہلیت ہے۔ ایک مرتبہ ایک مہاجر اور ایک انصاری میں کسی بات پر نزاع ہو گئی۔ مہاجر نے پکارا اے گروہ مہاجرین! میری مدد کو آؤ۔ انصاری نے آواز دی اے انصار! دوڑو میری خبر لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ دونوں پر غضب ناک ہوئے اور فرمایا کہ ایسی حالت میں کہ میں تمہارے اندر موجود ہوں۔ جاہلیت کے سے بول

بولتے ہو؟

حدود اللہ کا قیام بندگانِ خدا پر ایک رحمت ہے

کتاب، سنت اور اجماع کے بموجب چور کا داہنا ہاتھ قطع کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ مرد یا عورت چوری کریں تو اس کرتوت کے بدلے اُن کا داہنا ہاتھ کاٹ دو۔ یہ تعزیر خدا کی طرف سے ہے اور اللہ غالب اور صاحبِ حکمت ہے لیکن جو کوئی اپنے قصور کے پیچھے توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ تعالےٰ اس کو معاف کر دیتا ہے کیونکہ اللہ غفور رحیم ہے (۵: ۳۸-۳۹) اور جب گواہوں کی شہادت یا چور کے اقرار سے جرم پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو مجرم کو قید رکھنے یا فدیہ میں مال لے کر یا کسی اور وجہ سے ہاتھ قطع کرنے میں تاخیر نہ کرنی چاہیئے کیونکہ اقامتِ حدود بھی جہاد فی سبیل اللہ کی طرح منجملہ عبادات کے ہے اور اس حقیقت کو ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ شرعی حدوں کا قائم کرنا بھی اللہ تعالےٰ کی اُس کے بندوں پر ایک رحمت ہے پس والیٔ حکومت پر لازم ہے کہ وہ اقامتِ حدود میں بڑا سخت ہو۔ اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل میں اس کو چور کے حال پر کسی طرح کا رحم اور ترس دامنگیر نہ ہو کیونکہ اگر دین اللہ میں نرمی اختیار کرے گا تو حدِ شرعی کو معطل اور برطرف کر دیگا اور حدِ شرعی جاری کرتے میں حاکم کی یہ نیت ہونی چاہیئے کہ وہ خلقِ خدا پر رحم و شفقت کر رہا ہے اور لوگوں کو منکراتِ شرعیہ سے روکنا چاہتا ہے۔ اور

اقامتِ حد میں اپنے غیظ و غضب کی آگ کو ٹھنڈا کرنا ہرگز مقصود نہ ہو اور نہ خلقِ خدا پر علوّ اور برتری پیشِ نظر ہو بلکہ ولی الامر بمنزلہ والد کے ہو جو اپنے بیٹے کو ادب سکھاتا اور اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ عام طور پر ماں اپنے بیٹے پر رحم و شفقت کر کے اپنے بیٹے کا عیب چھپاتی ہے۔ لیکن اگر باپ بھی ماں کی طرح بیٹے کی تادیب سے دست بردار ہوگا تو لڑکے کے اخلاق بگڑ جائیں گے۔

اقامتِ حدود کی دوسری مثال

اقامتِ حدود کی دوسری مثال یہ ہے کہ طبیب مریض کو کڑوی دوا پلاتا ہے عضو کے بدگوشت کو کاٹتا۔ پچھنے لگواتا یا فصد کرا کر رگیں کٹواتا ہے بلکہ انسان خود بھی کڑوی دوائیں پیتا اور مشقت گوارا کرتا ہے تاکہ اس ذریعہ سے راحت بدنی و نفسی حاصل کرے۔ اسی مصلحت کے ماتحت حدّیں مشروع ہوئیں۔ الغرض اقامتِ حدود میں والی کی ہمیشہ یہی نیّت ہونی چاہیئے کیونکہ جس حاکم کا قصد رعیّت کی صلاح و بہبود اور لوگوں کو منکرات سے باز رکھنا ہو وہ رعایا کو اس کوشش میں نفع پہنچاتا اور ان سے مضرتیں دُور کرتا ہے اور اسے چاہیئے کہ تمام کاموں میں رضائے الٰہی کا جویاں ہو اور حکمِ خداوندی کے امتثال کی نیت رکھے اور اگر حاکم کی نیّت لوگوں پر برتری چاہنا اور اپنا رعب قائم کرنا ہو یا لوگوں کو خوفزدہ کر کے زر و مال حاصل کرنا مقصود ہو تو اس کو اس کی نیت کا پھل ملے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی سیاست اور ہیبت

مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ حصولِ خلافت سے پہلے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ منورہ کے حاکم تھے اور ان کی سیاست نہایت صالح تھی۔ ایک مرتبہ حجاج جس نے اہلِ عراق کو بڑی بڑی تکلیفیں دے رکھی تھیں۔ عراق سے مدینہ منورہ آیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے متعلق اہلِ مدینہ سے پوچھنے لگا کہ ان کی ہیبت کا کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ ہم نظر اُٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھ سکتے۔ پھر پوچھا کہ تمہارے دلوں میں ان کی کچھ محبت اور قدر و منزلت ہے؟ کہنے لگے وہ ہمیں ہمارے اہل و عیال سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ کہا اُن کی نگہداشت کی کیا حد ہے؟ بولے تین سے لے کر دس تازیانے۔ حجاج نے کہا کہ ان کے رعب، محبت اور ادب کا یہی راز ہے اور یہ سب کچھ منجانب اللہ ہے۔

قطع کے بعد چوری کا اعادہ کرنے کی سزا

ہاتھ کاٹنے کے بعد خون روکنے کے لئے مقام قطع کو تل دینا چاہئے اور مستحب ہے کہ کٹے ہوئے ہاتھ کو اس کی گردن میں لٹکا دیں۔ اور اگر دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں قطع کیا جائے اور اگر تیسری یا چوتھی بار سرقہ کا مرتکب ہو تو اس کے

متعلق صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعد کے علماء کے دو قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ تیسری مرتبہ چور کا بایاں ہاتھ اور چوتھی دفعہ داہنا پاؤں بھی کاٹ دینا چاہیئے یہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور یہی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اور دو میں سے ایک روایت میں احمد رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تیسری مرتبہ چوری کرنے پر اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔ یہ حضرت علی رضؓ کا اور کوفیوں (امام ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ، محمدؒ وغیرہم) کا اور دوسری روایت کے بموجب امام احمد کا قول ہے۔

قطع کے شرائط

قطع کی شرعی حدّ اسی وقت قائم ہوگی جب چوری کا مال نصاب کی حد کو پہنچ جائے نصاب اہلِ حجاز کے نزدیک اور اہلِ حدیث یعنی مالک، شافعی، اور احمد رحمہم اللہ کے نزدیک ربع دینار یا تین درھم ہے۔ بعض علماء نے نصاب کی مقدار ایک دینار یا دس درھم قرار دی ہے۔ پس جو کوئی اتنی مقدار میں چوری کرے، اس کا بالاتفاق ہاتھ کاٹا جائےگا۔ اور صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری پر جس کی قیمت تین درہم تھی ہاتھ کٹوایا اور صحیحین میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ربع دینار یا زیادہ کی چوری

پر ہاتھ کاٹا جائے اور مسلم کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ربع دینار سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹو مگر اس سے کم پر نہیں اور اُن ایام میں ربع دینار تین درہموں کے برابر ہوتا تھا اور دینار بارہ درہم کا تھا۔

چور اس وقت تک چور یعنی قطع کا سزاوار نہیں سمجھا جا سکتا جب تک اُس نے مال کسی محفوظ جگہ سے نہ چرایا ہو اور وہ مال جو اس کے مالک نے کہیں کھو دیا ہو اور وہ پھل جو کسی صحرا میں درخت پر غیر محفوظ حالت میں ہو اور اس کا کوئی نگہبان نہ ہو، اس کے چرانے پر قطع کی سزا نہیں۔ البتہ لینے والے کو تعزیر یعنی حد شرعی سے کم سزا دی جائیگی۔ لیکن یہ سزا دوچند ہوگی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور دوچند سزا کے متعلق علماء باہم مختلف الرائے ہیں اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، کا بیان ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ پھل میں قطع نہیں اور نہ کھجور کے مغز میں (جبکہ اُس پر نیا پھل آتا ہے) اس کو اہل سنن نے روایت کیا ہے اور عمرو بن شعیب کے دادا کا بیان ہے کہ قبیلہ مزینہ کے آدمی نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! میں گم شدہ اونٹ کے متعلق دریافت کرنے آیا ہوں، فرمایا اونٹ کے ساتھ اس کی مشک ہے (یعنی شکم میں پانی بھرا رہتا ہے جس کی وجہ سے کئی دن تک پیاس کا متحمل ہو سکتا) اور اس کے ساتھ اس کے موزے ہیں (یعنی

مضبوط تلوے جو چلنے سے گھستے نہیں) وہ پانی پر وارد ہوتا ہے اور درختوں سے کھا لیتا ہے پس اُن کو چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ خود اپنے مالک کے پاس واپس آئے اُس نے التماس کی یا رسول اللہ! گم شدہ بکری کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی ہے یا بھیڑیے کی ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ درخت سے لٹکے ہوئے پھل کے چرانے کی کیا سزا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اس کا حاجت مند ہو (یعنی بھوک کے مارے اس کا بُرا حال ہو) اور بغرض حاجت سے لے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں بشرطیکہ اس کو چھپا کر اپنے کپڑے میں نہ باندھے اور اگر کچھ ساتھ لے آیا تو دگنا تاوان دے اور سزا الگ ہوگی اور جو کوئی پھل ٹوٹنے کے بعد اتنا چرا لے کہ اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر پہنچتی ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے اور اگر ڈھال کی قیمت سے کم چرائے تو اس کا دُگنا تاوان دے اور سزا الگ ہوگی۔ اس کو نسائی نے روایت کیا ہے۔

ایک مرتبہ قبیلہ مزینہ کا ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! پہاڑ پر جو جانور چرتے ہیں، ان کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ فرمایا اگر اگر کوئی شخص ایسا جانور چُرائے تو وہ جانور پھیر دے اور اس کی مانند ایک اور جانور پیش کرے اور اس کو کوڑوں کی سزا الگ دی جائے مگر ہاتھ نہ کاٹا جائے اور اگر محفوظ جگہ کے اندر ہو اور اُس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو ہاتھ

کاٹا جائیگا اور اگر ڈھال کی قیمت سے کم ہو تو مجرم کو ویسے ہی دو چاتو ردینے پڑیں گے اور کوڑوں کی سزا الگ ہوگی (رواہ النسائی)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوٹنے والے اور اُچکے اور خائن کے لئے قطع کی سزا نہیں اور جیب کترنے والے کا بالاتفاق ہاتھ کاٹا جائیگا۔

زانی کی حدّ

زانی اگر مُحصن (شادی شدہ) ہو تو وہ پتھروں سے رجم یعنی سنگسار کیا جائیگا۔ یہاں تک کہ ہلاک ہو جائے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک اسلمی اور ایک غامدی عورت کو اور یہودیوں کو اور ان کے علاوہ اور لوگوں کو سنگسار کرایا اور آپ کے بعد بعض مسلمانوں کو سنگسار کیا گیا۔ اس بارہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ رجم سے پہلے سو کوڑے بھی مارنے چاہئیں یا نہیں۔ امام احمد وغیرہ کے مذہب میں اس کے متعلق دو قول ہیں اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کو کتاب اللہ کے ارشاد کے مطابق سو کوڑے لگائے جائیں گے اور وہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت ایک سال کے لئے جلاوطن رہے گا۔ اگرچہ بعض علماء اس کے لئے جلاوطنی کو واجب نہیں سمجھتے۔

بہت سے علماء یا اکثر اہلِ علم کے نزدیک زانی پر اُس وقت تک حد قائم نہ کی جائیگی جب تک اس پر چار گواہ شہادت نہ دیں یا وہ خود چار مرتبہ زنا کرنے

کا اقرار نہ کرے۔ علماء میں سے بعض کے نزدیک زانی کا ایک مرتبہ اقرار کرنا بھی کافی ہے اور اگر وہ اقرار کرکے اس سے پھر جائے تو بعض علماء کے نزدیک اس سے حدّ ساقط ہو جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ساقط نہیں ہوتی۔

محصن وہ مکلّف آزاد ہے جو اس زنا سے پیشتر صحیح نکاح کر چکا ہو اور اپنی منکوحہ سے مجامعت کر چکا ہو اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہو۔ اور کیا یہ بھی شرط ہے کہ ان صفات سے جو مرد کے لئے بیان کی گئیں منکوحہ بھی اس کے مساوی ہونی چاہئے یا نہیں، اس کی نسبت علماء کے دو قول ہیں، اسی طرح اس میں اختلاف ہے کہ اگر بالغ مرد قریب البلوغ لڑکی کو یا اس کے برعکس عقد ازدواج میں لائے تو وہ محصن ہے یا نہیں؟ شافعیؒ، احمدؒ اور اکثر دوسرے فقہا کے نزدیک اہلِ ذمّہ محصنوں کے زمرہ میں داخل ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یہودیوں کو مسجد نبوی کے دروازے پر سنگسار کرایا تھا اور یہ سب سے پہلا رجم تھا جو اسلام میں ہوا۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی ایسی عورت حاملہ پائی گئی جس کا نہ کوئی شوہر ہے اور نہ آقا ہے اور حمل ہونے کی کوئی اور وجہ بھی نہیں پائی جاتی تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ امام احمد وغیرہ کے مذہب میں اس کے بارہ میں دو قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس پر کوئی حد نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ جبراً حاملہ کی گئی ہو یا کسی نے غلط فہمی سے اس سے اختلاط کیا ہو اور وہ حاملہ ہو گئی ہو۔ دوسرا

یہ ہے کہ اس پر حد نہ لگائی جائیگی۔ خلفائے راشدین سے یہی ماثور ہے اور یہ اصولِ شریعت کے زیادہ مشابہ ہے اور اہلِ مدینہ کا یہی مذہب ہے، اور جس طرح عورت کی کذب بیانی یا گواہوں کے جھوٹ بولنے کا احتمال ہوتا ہے اسی طرح احتمالاتِ نادرہ کی طرف کچھ التفات نہ کیا جائے گا۔

اغلام کی سزا

اغلام کے متعلق بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کی بھی وہی حد ہے جو زنا کی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے کمتر ہونی چاہیے اور صحیح مسلک جس پر صحابہ کرام رضی نے اتفاق کیا ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں قتل کیے جائیں۔ شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں مساوی حیثیت رکھتے ہوں یا اعلیٰ و اسفل ہوں۔ چنانچہ اہلِ سنن نے ابنِ عباس رض سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی قوم لوط ؑ کا سا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔" صحابہ کرام رض میں سے کسی نے بھی اس کے قتل سے اختلاف نہیں کیا۔ البتہ نوعیتِ قتل میں باہم مختلف ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں پہنچی ہیں۔ ایک روایت کے موجب آگ میں جلا دینے کا حکم ہے اور دوسری میں قتل کا۔

بعض صحابہ رض سے منقول ہے کہ اغلام کرنے والے پر دیوار گرا دی جائے۔

یہاں تک کہ اس کے نیچے مر جائے اور بعض نے فرمایا کہ دونوں کو سخت متعفن اور بدبودار جگہ میں قید کر دیا جائے یہاں تک کہ دونوں ہلاک ہو جائیں اور بعض کے نزدیک ان کو شہر یا گاؤں کی سب سے بلند دیوار سے گرایا جائے اور پھر ان پر سنگ باری کی جائے جس طرح اللہ تعالےٰ نے قوم لوطؑ پر پتھر برسائے تھے۔ یہ ابن عباسؓ سے مروی ہے اور دوسری روایت ہے کہ ان کو سنگسار کیا جائے اکثر سلف نے اس پر فتویٰ دیا ہے۔ وہ اس کی یہ علت بیان کرتے ہیں کہ خدائے عزیز نے لوط علیہ السلام کی قوم پر سنگ باری کی تھی اور زانی پر بھی قوم لوطؑ کے رجم کی مشابہت میں سنگ باری شروع ہوئی ہے۔ پس فاعل اور مفعول دونوں سنگسار کئے جائیں گے آزاد ہوں یا مملوک یا ایک مملوک اور دوسرا آزاد۔ یہ اس صورت میں ہے کہ دونوں بالغ ہوں اور اگر ان میں سے ایک نابالغ ہو تو اس کو قتل سے کم سزا دی جائیگی اور رجم صرف بالغ کو ہوگا۔

شراب خواری کی حدّ

شراب نوشی کی حدّ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع المسلمین سے ثابت ہے۔ اہل سنن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجوہ روایت کی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی شراب پیئے تو اس کو کوڑے لگاؤ۔ دوبارہ پیئے تو پھر تازیانے لگاؤ۔ سہ بارہ پیئے تو پھر کوڑے مارو اور چوتھی دفعہ پیئے تو اس کو قتل کر دو۔ پس یہ

امر پایۂ ثبوت کو پہنچا ہے کہ آپ نے اور آپ کے خلفاء نے اور بعد کے مسلمانوں نے شرابی کو کئی مرتبہ کوڑے لگائے ہیں۔ لیکن اس کا قتل اکثر علماء کے نزدیک منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک قتل کا حکم بحال ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شرابی کے لئے کوئی حد معین نہیں۔ امام جو مناسب خیال کرے وہی سزا دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مئےخوار کو کھجور کی چھڑی اور جوتیوں سے چالیس دفعہ مارنے کا حکم دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے بھی اسے چالیس دفعہ پٹوایا۔ حضرت عمر رضؓ نے اپنی خلافت میں اسّی مرتبہ مارنے کا حکم دیا۔ حضرت علی رضؓ کا معمول تھا کہ ایک مرتبہ چالیس ضرب کا حکم دیتے تھے اور دوسری مرتبہ اسّی کا۔ پس علماء میں سے بعض اسّی کو واجب جانتے ہیں اور بعض چالیس ہی کو واجب قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام کو اختیار ہے کہ جب دیکھے کہ لوگ زیادہ بیباک ہو گئے ہیں اور شراب کا کثرت سے رواج ہو چلا ہے تو زیادہ مارے اور اگر دیکھے کہ پینے والوں کی تعداد کم ہے تو چالیس پر اکتفا کرے۔ تمام اقوال میں یہ قول سب سے بہتر ہے۔ شافعیؒ اور احمدؒ ایک روایت میں اسی کے قائل ہیں۔

جب عہدِ فاروقی میں شراب کا زیادہ رواج ہوا تو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسّی کوڑوں پر جلاوطنی اور سر مونڈوانے کی سزا کا اضافہ فرما دیا تاکہ زجر و توبیخ میں مبالغہ ہو جائے اور اگر شارب کو چالیس کوڑوں کے علاوہ اس کا کھانا بند کرنے یا ولایت (یعنی اس کے عہدہ) سے معزول کرنے کی سزا بھی دی

جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ ان کے فلاں عامل نے شراب نوشی کی مدح میں شعر کہے ہیں تو آپ نے اُسے معزول کر دیا۔

خمر کی تعریف

خمر جس کو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پینے والے کو کوڑے مارنے کا حکم دیا پینے کی ہر وہ چیز ہے جو نشہ آور ہو۔ خواہ کسی چیز سے بنائی گئی ہو پھلوں سے جیسے انگور، کھجور یا زیتون سے یا اناج سے جیسے گیہوں اور جَو یا شہد سے یا گھوڑی کے دودھ سے جن ایام میں حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تحریم خمر نازل فرمائی اُن دنوں مدینہ منورہ میں انگور کا کوئی درخت نہ تھا اور انگور جب کبھی آتا تھا تو شام سے لایا جاتا تھا۔ اس لئے اہل مدینہ کی عام شراب کھجور کی نبیذ سے بنتی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء واصحاب سے یہ سنت متواتر ہے کہ آپ نے ہر مُسکر کو حرام قرار دیا اور آپ نے یہ بھی بیان فرما دیا کہ ہر نشہ آور چیز خمر ہے۔ پس وہ شیریں نبیذ پیتے تھے جس کی تیاری کا طریقہ یہ ہے کہ پانی میں کھجور یا منقہ بھگو دیتے ہیں اور اس کا شربت بنا کر پیتے ہیں۔ یہ نبیذ باجماع المسلمین حلال ہے کیونکہ یہ نشہ آور نہیں۔ اسی طرح نشہ آور ہونے سے پہلے شیرہ انگور کا پینا بھی حلال ہے۔

ہر نشہ آور چیز کے پینے پر کوڑوں کی سزا

صواب جس پر جمہور مسلمین کا اتفاق ہے یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز کے پینے والے کو کوڑے لگائے جائیں گے اگرچہ ایک ہی قطرہ پیا ہو۔ اس کو دوا کے طور پر استعمال کیا ہو یا بغیر دوا و علاج کے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ دوا کے طور پر شراب استعمال کی جا سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ دوا نہیں ہے۔ اللہ تعالے نے میری اُمت کی شفا ان چیزوں میں نہیں رکھی جو اُمت پر حرام کی گئی ہیں جب شہادت پیش کی جائے تو پینے والے کو حد لگائی جائیگی۔ اگر شارب خود اعتراف کرے تو بھی حدِ شرعی کا مستوجب ہوگا۔ اگر کسی سے شراب کی بُو آتی ہو یا وہ پیتے دیکھا گیا ہو یا اس قسم کی کوئی صورت ہو تو کہا گیا ہے کہ اس پر حد نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ اس نے کوئی ایسی چیز پی ہو جو خمر نہ ہو یا خُمر ہی کو بے خبری کی حالت میں یا کسی کے مجبور کرنے پر پی لیا ہو۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر وہ اس بات کو محسوس کرتا تھا کہ یہ نشہ آور ہے تو اس پر حد جاری کی جائیگی۔ یہ حضرات عثمان، علی، اور عبد اللہ بن مسعود اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ماثور ہے۔ اسی پر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دلالت کرتی ہے اور یہی مالکؒ کا اور احمدؒ کا غالب نصوص میں اور دوسرے حضرات کا مذہب ہے۔

انگور کی منجمد پتیاں استعمال کرنا بھی حرام ہے

انگور کے پتوں سے جو گھاس بنائی جاتی ہے وہ بھی حرام ہے۔ اس کے استعمال کرنے والے کو اسی طرح کوڑے رسید کئے جائیں جس طرح میکش کو مارے جاتے ہیں۔ یہ منجمد گھاس خمر سے بھی زیادہ خبیث ہے کیونکہ یہ عقل اور مزاج کو فاسد کرتی ہے یہاں تک کہ مردہیں خنثی پن وغیرہ قسم کے فساد پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور خمر اس حیثیت سے خبیث ہے کہ اس سے لڑائی، فساد اور خونریزی کی طرف میلانِ طبع ہوتا ہے اس کے علاوہ یہ دونوں چیزیں ذکر اللہ اور نماز سے بھی روکتی ہیں۔ اور بعض فقہائے متاخرین نے اس گھاس کی حد کے متعلق راہِ توقف اختیار کی ہے اور فتویٰ دیا ہے کہ اس کے کھانے والے کو حد سے کم درجہ کی تعزیر چاہیئے کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ یہ بھنگ کی طرح طربِ نشاط کے بغیر عقل میں فتور ڈالتی ہے اور اس کے کھانے والے بادہ نوشی کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اس کے مشتاق رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ باعث تخنث اور فساد مزاج اور عقل کی مورث ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ذکر الٰہی اور نماز سے مانع ہے۔

چونکہ انگور کی پتیوں کی مذکرہ صدر گھاس منجمد ہے اور کھائی جاتی ہے۔ پی نہیں جاتی۔ اس لئے فقہائے کرام اس کی نجاست میں مختلف البیان ہیں۔ امام احمدؒ وغیرہ کے مذہب میں اس کے متعلق تین قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ خمر مشروب کی طرح

نجس ہے اور یہی مذہب صحیح ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ منجمد ہونے کی وجہ سے نجس نہیں ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کے جامد اور مائع میں فرق کیا جائیگا۔ بہر حال یہ اُن اشیاء میں داخل ہے جس کو اللہ اور اُس کے رسول نے لفظاً یا معنیً خمر اور مسکر ہونے کی حیثیت سے حرام قرار دیا ہے۔

ہر نشہ آور حرام ہے

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے التماس کی یا رسول اللہ! اُس شراب کے متعلق فتویٰ دیجئے جو ہم یمن میں تیار کیا کرتے تھے یعنی شہد کی یا جو کی نبیذ یہاں تک کہ تیز ہو کر نشہ لانے لگے۔

حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کلمات عطا کئے گئے تھے۔ آپ نے میرے سوال کے جواب میں فرمایا "ہر نشہ آور حرام ہے" اس حدیث کو بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔

اور نعمان بن بشیر صحابیؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گیہوں سے بھی خمر تیار کیا جاتا ہے اور جو سے بھی اور خشک انگور اور سوکھی کھجور اور شہد سے بھی اور میں ہر نشہ آور چیز کی ممانعت کرتا ہوں۔ اس حدیث کو ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نشہ آور خمر ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے اور دوسری

روایت میں یوں ہے کہ ہر مُسکر (نشہ آور) خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔ مسلم رح نے ان دونوں روایتوں کی تخریج کی ہے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز بقدر فرق (۸ سیر) کے نشہ لائے۔ اس کا ایک چلو بھر بھی حرام ہے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے اور اہل سنن نے مختلف طُرق سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا کثیر نشہ لائے اس کا قلیل بھی حرام ہے۔ حفاظِ حدیث نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔

اور جابر رضؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص یمن سے آیا اور گزارش کی یا رسول! اہل یمن جینے کی شراب پیتے ہیں، جو مِرز کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے آپ نے پوچھا کیا وہ مُسکِر (نشہ لانے والی) ہے؟ اس نے کہا ہاں یا رسول اللہ! وہ نشہ آور ہے۔ آپ نے ہر مُسکِر حرام ہے اور اللہ تعالےٰ نے عہد کر رکھا ہے کہ جو کوئی نشے کی چیز پیئے خدا اسے قادر اس کو طِینۃُ الخبَال پلائے گا۔ صحابہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! طینۃُ الخبَال کیا ہے؟ فرمایا کہ وُہ دوزخیوں کا پسینہ ہے۔ یا آپ نے فرمایا کہ وہ پیپ اور لہو ہے جو دوزخیوں کے زخموں سے بہتا ہے۔" اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز جو عقل میں فتور ڈالے یا نشہ لائے وہ حرام ہے۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا۔

غرض اس باب میں کثیر التعداد حدیثیں مروی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز

بھی عقل میں فتور لائے یا نشہ آور ہو وہ ممنوع الاستعمال ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں نوع نوع کا فرق نہ بتلایا اور نہ حد ثبوت میں ماکول یا مشروب کی تصریح ہے اور یہ گھاس (بھنگ) جو پانی میں گھونٹ کر پیتے ہیں یہ بھی خمر اور حرام ہے۔ بھنگ کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی ہیں اور متقدمین نے اس خصوص میں کچھ ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اس کے استعمال کا رواج چھٹی صدی کے آخر میں یا اس کے قریب ہوا ہے۔ کئی قسم کی مسکر شرابیں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رائج ہوئی ہیں مگر ان سب کا حکم کتاب وسنت کے کلمات جوامع سے ثابت ہے۔

حدِ قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا

ان حدود میں سے جو قرآن اور سنت سے ثابت ہیں اور جن پر مسلمانوں کا اجماع ہے ایک حدِ قذف ہے۔ جو شخص کسی محصن پر زنا یا اغلام کی تہمت لگائے تو اس کو اسی کوڑوں کی حد مارنا واجب ہے اور محصن وہ ہے جو آزاد اور عفت مآب پارسا ہو اور زنا کے باب میں محصن وہ ہے جو کم از کم ایک مرتبہ کامل طور پر اپنی بی بی سے مجامعت کر چکا ہو۔

وہ گناہ جن پر کوئی شرعی حد مقرر نہیں

بہت سے ایسے گناہ ہیں جن کے ارتکاب پر شریعت مطہرہ نے کوئی حد مقرر نہیں

فرمائی۔ مثلاً ایسی چیز کھانا جو حلال نہیں جیسے خون، مردہ وغیرہ، پرائی عورت یا لڑکے کا بوسہ لینا، مجامعت کے بغیر چھیڑ چھاڑ کرنا، زنا کے سوا کسی دوسرے گناہ کی تہمت لگانا، کسی کی غیر محفوظ چیز چرانا، تھوڑی قیمت کی کسی چیز کا سرقہ کرنا، اموال بیت المال کے نگران کا اس امانت میں خیانت کرنا، وقف کی آمدنی یا یتیم کا مال کھاتے یا اس قسم کی دوسری امانتوں میں خلاف دیانت راہ اختیار کرنا جیسے شرکاء میں سے کسی کا بددیانتی کرنا، کم تولنا یا ناپنا، جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی گواہی کی ترغیب دینا، رشوت لینا، کسی بات میں اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے خلاف فیصلہ کرنا، اپنی رعیت پر زیادتی کرنا، عہد جاہلیت کی سی عزاداری کرنا۔

تعزیر کے متعلق عام ہدایات

اسی طرح بہت سے دوسرے محرمات ہیں جن پر تعزیراً و تادیباً مواخذہ کیا جائیگا۔ والی حکومت کو گناہ کی کثرت یا قلت کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ اگر کسی گناہ کی طرف لوگوں کا عام میلان پایا جائے تو عقوبت میں سختی کردے۔ اور اگر وہ گناہ قلیل الوجود ہو تو تعزیر بھی نرم رکھے۔ اس کے علاوہ تعزیر گناہ کرنے والے کے حسب حال ہونی چاہیے۔ اگر گناہ کے مرتکب فسق و فجور پر مُصر ہوں تو حاکم کو چاہیے کہ عقوبت زیادہ کرے۔ اور اگر اس کا ارتکاب شاذ و نادر ہو تو تعزیر بھی کم درجہ رکھے

اور پھر گناہ کے کبیر و صغیر کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ پس جو کوئی لوگوں کی عورتوں سے اور ان کی اولاد سے تعرض کرتا ہے اس کو اس سے بڑھ چڑھ کر سزا دینی چاہیے جس نے صرف ایک عورت یا ایک لڑکے کو چھیڑا ہو۔

تعزیر کی کم سے کم مقدار کوئی نہیں البتہ کم سے کم اس کو کہہ سکتے ہیں کہ جس سے اُس کے دل کو دوسروں کے قول یا فعل یا ترک کلام یا ترک فعل سے صدمہ پہنچ سکے کبھی آدمی کو وعظ، سخت کلامی اور زجر و توبیخ سے تعزیر ہوتی ہے۔ مقاطعہ اور ترکِ کلام بھی تنبیہ کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ مقاطعہ اُس وقت تک یکساں جاری رکھا جائے جب تک گنہگار توبہ نہ کر لے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تین اصحابؓ کو جو جنگِ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے مقاطعہ اور ترکِ کلام کی سزا دی تھی۔ عامل کے لیے یہ بھی تعزیر ہے کہ اس کو اس کی ولایت سے معزول کر دیا جائے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا معمول تھا۔ ایک تعزیر یہ ہے کہ مجرم سے لشکرِ اسلام کی کوئی خدمت نہ لی جائے جیسا کہ ایک فوجی جو میدانِ جنگ سے بھاگا تھا یہی سزا دی گئی تھی کیونکہ میدانِ جنگ سے بھاگنا کبائر میں سے ہے کھانا بند کر دینا بھی ایک تعزیر ہے۔

اسی طرح جب کوئی حاکم کسی ناشدنی حرکت کا مرتکب ہو تو اس کو امارت سے معزول کر دینا اس کے لیے تعزیر ہے کبھی قید کر کے اور کبھی بدنی سزا دے کر بھی تعزیر کی جاتی ہے۔ کبھی چہرہ سیاہ کر کے گدھے یا کسی دوسرے چوپایہ پر اُلٹے منہ بٹھاتے

ہیں جیسا کہ مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جھوٹی گواہی دینے والے کو بھی سزا دی تھی۔ کاذب سیاہ رو ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا چہرہ کالا کیا جاتا ہے اور چونکہ بات کو بدلتا ہے۔ اس لئے اس کی سواری اُلٹی کردی جاتی ہے۔ ان کے سوا دوسرے گناہوں کیلئے دس کوڑوں سے زیادہ تعزیر نہ چاہیے۔

تعزیر حد تک نہ پہنچنی چاہیئے

کثیر التعداد علماء نے فرمایا ہے کہ تعزیر اتنی نہ چاہیئے جو حد کی سزا کو جا پہنچے۔ پھر اس کے متعلق بھی دو قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ تعزیر ادنیٰ حدود یعنی چالیس کوڑوں اور اسّی کوڑوں تک کسی طرح نہ پہنچے۔ اسی طرح غلام کی تعزیر حد کے ادنیٰ درجہ یعنی بیس یا چالیس کوڑوں تک نہ پہنچنے پائے اور جس نے زنا سے کم درجہ کا جرم کیا ہو اس کی تعزیر کسی طرح زانی کی حد تک نہ پہنچنے دیں اگرچہ حدِ قذف (افترا پردازی) سے بڑھ جائے۔ چنانچہ مروی ہے کہ عہدِ فاروقی میں ایک شخص نے مہر منقش کرائی جس کے ذریعہ سے اس نے بیت المال سے بہت کچھ خیانۃً وصول کرلیا حضرت عمر رضی نے اس کو سو کوڑے پٹوائے۔ پھر دوسرے دن مزید سو کوڑوں کی سزا دی۔ پھر تیسرے دن سو کوڑے رسید کئے گئے۔

خلفائے راشدین نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مرد اور پرائی عورت ایک لحاف میں پائے جائیں تو دونوں کو سو سو کوڑے پٹوائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اس شخص کی نسبت جو اپنی بیوی کی لونڈی کے پاس جائے فرمایا کہ اگر عورت نے اس لونڈی کو اس کی لونڈی بتا کر شہرت دے رکھی ہو تو سو کوڑے لگائے جائیں گے ورنہ سنگسار کیا جائیگا۔

ایسے مسلمان کا قتل جو کفار کیلئے جاسوسی کرے

یہ اقوال امام احمد رح کے مذہب میں ہیں اور پہلے دو قول شافعی مذہب کی طرف منسوب ہیں ۔ امام مالک رح وغیرہ نے فرمایا ہے کہ بعض جرائم قتل کے بھی مستوجب ہیں ۔ اس قول میں امام احمد کے بعض اصحاب بھی امام مالک کے ہمنوا ہیں ۔ مثلاً اس مسئلہ میں کہ جب کوئی مسلمان دشمن کے حق میں مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرے تو امام احمد نے اس کے بارہ میں راہ توقف اختیار کی ہے ۔ لیکن مالک رح اور بعض حنبلیہ جیسے ابن عقیل نے اس کے قتل کو جائز رکھا ہے اور امام ابوحنیفہ اور شافعی اور قاضی ابویعلی حنبلی نے اس کے قتل کو منع کیا ہے ۔

اصحاب شافعی کے ایک گروہ اور احمد وغیرہما نے اس شخص کا قتل جائز رکھا ہے جو لوگوں کو ایسی بدعت کی دعوت دے جو کتاب و سنت کی مخالف ہو ۔ اور امام مالک کے شاگردوں میں بہتوں کا بیان ہے کہ مالک وغیرہ نے قدریہ کا قتل ان کے ارتداد کی بنا پر نہیں بلکہ زمین پر فساد پھیلانے کے باعث جائز رکھا ہے ساحر کے متعلق بھی یہی کہا گیا ہے ۔ اکثر علماء کا یہ مذہب ہے کہ ساحر قتل کر دیا جائے ۔

جندبؓ سے موقوفاً و مرفوعاً مروی ہے کہ ساحر کی حد تلوار سے اس کی گردن اُڑا دینا ہے۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور حضرات عمرؓ، عثمانؓ، ام المومنین حفصہ، عبداللہ بن عمر اور دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ساحر کے قتل کا حکم دیا ہے۔ اس قتل کی علت بعض فقہا کے نزدیک کفر اور دوسروں کے نزدیک فساد فی الارض ہے۔ لیکن جمہور علماء ساحر کے حداً قتل کرنے کے قائل ہیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ نے حکم دیا ہے کہ ساحر کی تعزیر اس کی گردن مارنا ہے۔

مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے والا واجب القتل ہے

پھر جب اس کی جنس مثلاً ایسا شخص جو اغلام کا اعادہ و تکرار کرے یا لوگوں کا مال چھیننے کے لئے ان کو خوف زدہ کرے اور اس قسم کے دوسرے لوگ واجب القتل ہیں تو اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ جب قتل کے بغیر مفسد کا شر منقطع نہ ہو تو اس کو ہلاک کر دیا جائے کیونکہ مسلم نے اپنی صحیح میں عرفجہ اشجعیؓ سے روایت کی ہے کہ سید انام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم لوگوں کا معاملہ ایک واحد شخص کے ماتحت ہو اور کوئی شخص آکر تمہارے عصائے اتحاد کے درہم برہم کرنے کا قصد کرے اور تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈالے تو اس کو قتل کر دو۔ اور ایک اور روایت میں آپ نے فرمایا کہ ایسی حالت میں کہ مسلمان ایک جمعیت ہوں جو کوئی شخص اس امت کے کام میں تفرقہ ڈالے تو تلوار سے اس کی گردن اڑا دو خواہ وہ کوئی شخص ہی

کیوں نہ ہو۔

شارب الخمر کا قتل

اسی طرح کہا جائے گا کہ مے خوار کو چوتھی دفعہ قتل کیا جائے بدلیل اس حدیث کے جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں دیلم حمیری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ دیلم حمیری رض کا بیان ہے کہ میں نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں التماس کی یا رسول اللہ! ہم سرزمین کے رہنے والے ہیں۔ جہاں سخت محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے اور یہ زیادہ قوتِ جسمانی کے بغیر سرانجام نہیں ہو سکتی) اس لیے ہم گیہوں کی شراب بنا کر اس سے اپنے کاموں میں قوت حاصل کرتے اور اپنے شہروں کی سردی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا کیا وہ شراب نشہ لاتی ہے؟ میں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا کہ پھر اس سے بچو۔ میں نے گذارش کی یا رسول اللہ! لوگ اس کو نہیں چھوڑینگے۔ فرمایا اگر نہ چھوڑیں تو ان سے لڑو۔" اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ مفسد ویران کرنے والے کی مانند ہے اگر ویران کرنے والا قتل کے بغیر کسی طرح دفع نہ ہو تو اسے ہلاک کیا جاتا ہے ان دونوں میں جمع و تطبیق کی یہ صورت ہے کہ عقوبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عقوبت تو ذنب ماضی پر ہوتی ہے جیسے شراب نوشی اور بہتان تراشی کی حد یا زخم خواہ اور چور کے ہاتھ کاٹنا

دوسری عقوبت حق واجب کے ترک کرنے پر یا مستقبل میں فعل حرام سے باز رکھنے کیلئے کی جاتی ہے۔ جیسے مرتد کو توبہ کرنے پر مجبور کرنا یہاں تک کہ از سرِ نو حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائیں اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ قتل کیا جائے یا جس طرح بے نماز یا تارکِ زکوٰۃ پر عقوبت کی جاتی ہے اور آدمیوں کے حقوق ادا نہ کرنے والے پر گرفت کی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ حقوق العباد کی طرف سے عہدہ برآ ہو۔

حقوق العباد سے لا اعتنائی برتنے کی سزا

حقوق العباد کی تعزیر میں پہلی صورت کے مقابلہ میں زیادہ سختی کی جائیگی پس جائز ہے کہ حقوق العباد کی طرف سے لا اعتنائی برتنے والے کو بار بار پیٹا جائے۔ یہاں تک کہ وہ اس حق کو ادا کر دے جو اس پر واجب ہے اور وہ حدیث جو صحیحین میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حدود اللہ میں کسی حد پر دس سے زیادہ کوڑے نہ لگائے جائیں تو اس کی تفسیر میں اہل علم کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ حدود اللہ سے وہ مراد ہے جو حق اللہ کے لئے حرام ہے کیونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی اصطلاح میں حدود سے حلال اور حرام کے درمیان امتیاز کی دیوار کھڑی کرنا مراد ہے۔ آخری حلال اور اولی حرام کی مثال ملاحظہ ہو۔ اول کی تمثیل میں یہ آیت پیش کی جاتی ہے۔ "یہ اللہ کی حدیں ہیں پس ان سے آگے مت بڑھو۔" (۲: ۲۲۹) دوسری مثال یہ ارشادِ باری ہے "یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے قریب

نہ جاؤ۔ اور مروی ہے کہ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جو شخص خاص اپنے حق کے لئے مارے جیسے مرد کا بے فرمانی پر اپنی بیوی کو مارنا تو وہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے۔

تازیانے رسید کرتے وقت سارے کپڑے اُتارنے کی ممانعت

تازیانہ یا کوڑا جو کتب شریعت میں مذکور ہے تو وہ معتدل یعنی درمیانی درجے کا ہے۔ کیونکہ اچھے امور معتدل اور اوسط درجہ کے ہیں۔ اور حدّ میں دُرّے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ دِرّہ تعزیر میں مستعمل ہے لیکن حدود میں ضروری ہے کہ تازیانے لگائے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ دِرّہ سے ادب سکھایا کرتے تھے لیکن جب کوئی حدّ شرعی درپیش ہوتی تو تازیانہ منگواتے۔ کوڑے مارتے وقت مجرم کے بدن سے سارے کپڑے نہ اُتارے جائیں بلکہ وہی کپڑے علیحدہ کئے جائیں جو ضرب کی تکلیف سے محفوظ رکھتے ہوں اور جب تک ضرورت داعی نہ ہو مجرم کو کسی چیز کے ساتھ نہ باندھیں۔

کوڑے مارتے وقت مجرم کے چہرے کو ہمیشہ بچایئں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص مقاتلہ کرے تو چہرے کو بچائے اور تازیانے لگتے وقت جسم کے تمام اعضا کو اپنا اپنا حصّہ ملنا چاہئے۔ مثلاً پیٹھ، مونڈھے دونوں رانیں وغیرہ۔

جہاد کفّار

اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والوں کے لئے جن عقوبات کا شریعتِ مطہّرہ نے حکم دیا ہے، ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو ان لوگوں کے خلاف عقوبت جن پر ہم پوری قدرت رکھتے ہیں اور وہ ہر طرح سے ہمارے قبضہ و اختیار میں ہیں جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ دوسری ان لوگوں کے خلاف جن پر ہم قتال کئے بغیر قابو نہیں پا سکتے۔ یہی کفّار کے خلاف جہاد ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں۔

پس ہر وہ شخص جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دین پہنچی اور اس نے اس دعوت کو لبّیک نہیں کہا۔ اُس سے قتال واجب ہے یہاں تک کہ فتنہ (یعنی فساد شرک) باقی نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ ہی کا ہو جائے۔

جب اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا اور آپ کو حکم دیا کہ خلق کو دین کی دعوت دیں تو اوائل ہی آپ کو دین کے لئے کسی شخص کے قتل کی اجازت نہ ملی اور نہ اس وقت تک جہاد و قتال مشروع ہوا جبتک آپ نے مدینہ منوّرہ کو ہجرت نہ فرمائی۔ آخر اللہ تعالےٰ نے آپ کو اور آپ کے پیروؤں کو اپنے اس قول کے ماتحت جہاد کی اجازت دی۔ (جن سے مسلمانوں سے) کافر لڑتے ہیں اب ان کو بھی کافروں سے لڑنے کی اجازت ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور بلاشبہ اللہ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم لوگ ہیں جو محض اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ

ہے ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور اگر اللہ لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے دفعیہ نہ کراتا رہتا تو (نصاریٰ کے) صومعے اور گرجے اور (یہودیوں کی) عبادت گاہیں اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جاچکے ہوتے۔ اور جو کوئی اللہ (کے دین) کی مدد کریگا اللہ بھی ضرور اس کا مددگار ہوگا۔ کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ زبردست غالب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم (حاکم وقت بنا کر) ان کے پاؤں زمین میں جما دیں تو نماز قائم کرینگے اور زکوٰۃ دینگے اور لوگوں کو نیک نامی کی ترغیب دیں گے اور برائیوں سے منع کریں گے اور سب چیزوں کا انجام و مآل تو اللہ تعالیٰ ہی کے دست اختیار میں ہے (۲۲ : ۳۹-۴۱)

جہاد فی سبیل اللہ کی فرضیت

اس اجازت کے بعد اللہ سبحانہ نے مسلمانوں پر اپنے اس قول سے قتال فرض کر دیا مسلمانو! تم پر قتال فرض کیا گیا ہے مگر تم اس میں ناگواری محسوس کر رہے ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو ناگوار ہو مگر وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور کوئی چیز تم کو مرغوب ہو مگر وہ تمہارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۲ : ۲۱۶)

اسی طرح عام مدنی صورتوں میں قتال واجب کیا گیا ہے اور امر جہاد کی عظمت ظاہر فرمائی ہے اور اس کے تارکوں کی مذمت کرتے ہوئے ان کو نفاق اور مرض دل سے موصوف کیا ہے چنانچہ فرمایا:- اے نبی! اہل ایمان کو سمجھا دو

کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارے کنبے دار اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کی کساد بازاری کا تم کو اندیشہ ہے اور مکانات جن کی سکونت کی تمہیں رغبت ہے۔ یہ چیزیں اگر اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کے رستے میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہوں تو (ذرا) صبر کرو۔ یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا منظور ہے وہ تمہارے سامنے لا موجود کرے اور اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا جو اُس کے حکم سے سرتابی کریں (۹: ۲۴)

اور فرمایا (سچے) مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا اور اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے رہے یہی سچے (مسلمان) ہیں (۴۹: ۱۵) اور فرمایا پھر جب کوئی سورت محکمہ نازل ہو اور اس میں جہاد و قتال کا تذکرہ ہو تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے تم ان کو دیکھو گے کہ وہ تمہاری طرف (دہشت زدہ ہو کر) دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو (اور اس کی نظر پھٹ جائے) سو ان کے لئے خرابی ہے۔ (رسول اللہ کی) فرمانبرداری (لازم ہے) اور سیدھی طرح (لگی لپٹی رکھے بغیر) بات (کرنی چاہیے) اور جب لڑائی ٹھن جائے اور ان میں یہ لوگ خدا سے سچے رہیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔ (۴۷: ۲۰-۲۱)

جہاد کے دوسرے فضائل

قرآن میں اس قسم کی آیتیں بکثرت ہیں۔ سورۂ صف میں جہاد کی عظمت اور اہل جہاد

کی فضیلت بیان کی گئی ہے چنانچہ فرمایا:- اے مومنو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتاؤں جو تم کو (آخرت کے) عذاب دردناک سے بچالے؟ (وہ یہ ہے کہ) کہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جانیں لڑادو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو (ایسا کروگے) تو خدا تمہارے گناہ معاف کردیگا اور تم کو بہشت کے ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں اور ایسے پاکیزہ مکانات میں جگہ دیگا جو ابدی باغات میں ہونگے۔ یہ بڑی کامیابی ہے (ان نعمتوں کے سوا) ایک اور (نعمت بھی) ہے جو تم کو مرغوب ہے اور تم عنقریب فتوحات حاصل کروگے (اے نبی) مومنوں کو اس کی خوشخبری سنادو۔ (۶۱: ۱۰-۱۳)

اور فرمایا کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اُس شخص (کی خدمتوں) جیسا سمجھ لیا جو اللہ اور آخرت پر ایمان لانا اور اللہ کے رستے میں جہاد کرتا ہے۔ اللہ کے نزدیک تو یہ لوگ مساوی نہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور (خلوص دل کے ساتھ) ہجرت کی اور اپنے جان و مال سے اللہ کے رستے میں جہاد کیے، یہ لوگ اللہ کے نزدیک درجے میں کہیں بڑھ کر ہیں اور یہی ہیں جو منزل مقصود تک فائز ہونے والے ہیں۔ ان کا پروردگار ان کو اپنی مہربانی اور رضامندی اور ایسے باغوں میں سدا کو اور ہمیشہ رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالےٰ کے پاس اجر عظیم (موجود) ہے (۹: ۱۹-۲۲)

اور فرمایا مومنو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین (اسلام) سے پھر جائے تو

(اللہ تعالٰے کو اس کی کوئی پروا نہیں) وہ ایسے لوگ لا موجود کریگا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔ مسلمانوں کے حق میں نرم، کافروں کے حق میں سخت۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے خوف ہوں گے۔ یہ بھی خدا کا ایک فضل ہے۔ جس کو چاہے اس سے نوازے اور اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے اور وہ سب کے حال سے واقف ہے (۵ : ۵۴)

اور فرمایا یہ اس لئے ہے کہ ان (مجاھدین) کو خدا کی راہ میں پیاس اور محنت اور فاقہ کی تکلیف پہنچتی ہے تو اس حالت میں بھی اور جن مقامات پر کافروں کو بھی ان کا چلنا ناگوار گزرتا ہے وہاں چلتے ہیں تو بھی اور دشمنوں سے کچھ مل جاتا تو اس صورت میں بھی (غرض رنج و راحت تمام حالتوں میں) ہر ہر کام کے بدلے خدا کے ہاں ان کا نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بیشک اللہ محسنوں کا اجر ضائع نہیں ہونے دیتا۔ اور تھوڑا یا بہت جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو وادیاں ان کو طے کرنی پڑتی ہیں یہ سب ان کے نامۂ اعمال میں ان کے نام لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کی بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے (۹ : ۱۲۰ - ۱۲۱)

جہاد فی سبیل اللہ حج، اور نفلی عبادتوں سے افضل ہے

کتاب و سنّت میں جہاد فی سبیل اللہ کے اس قدر فضائل بیان کیے گئے ہیں جو حد و حصر سے خارج ہیں۔ اسی وجہ سے جہاد حج، عُمرہ، نفلی نماز، نفلی روزہ سب سے

افضل ہے جیسا کہ اس پر کتاب و سنّت دلالت کرتی ہے۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امر (یعنی ہدایت و سعادت) کا سر اسلام ہے۔ اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے اور فرمایا جنّت میں سو درجے ہیں۔ ایک درجے سے دوسرے درجے تک اتنا فاصلہ ہے جس قدر کہ آسمان اور زمین میں بُعدِ مسافت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے یہ سب درجے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے دونوں قدم اللہ کے راستے میں غبار آلودہ ہوئے، اُس پر دوزخ حرام ہو گیا۔ (رواہ البخاری)

اور فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ میں ایک دن رات کی پاسبانی کرنا ایک مہینے کے روزوں اور ایک مہینہ کی شب بیداری سے بہتر ہے۔ اور اگر یہ چوکیدار مر جائے تو اللہ تعالےٰ اس کے نام اُس عمل کا ثواب جاری کرتا ہے جو وہ بجا لاتا تھا اور اس کے لئے اس کا رزق جاری کیا جاتا ہے اور وہ منکر نکیر کے خوف سے بھی امن میں رہتا ہے (رواہ مسلم) اور سنن میں ہے کہ فی سبیل اللہ ایک دن کی چوکیداری ہزار دن کی منزلوں سے بہتر ہے جو اس کے سوا ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو آگ ہرگز نہ چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالےٰ کے خوف سے روئی۔ دوسری وہ جس نے فی سبیل اللہ چوکیداری کرتے ہوئے رات گذاری۔ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے اور مسندِ احمدؒ میں ہے کہ فی سبیل اللہ ایک رات

کی پاسبانی ایسی ہزار راتوں سے افضل ہے جن کی راتوں میں عبادت کا قیام کیا ہو اور ان کے دنوں میں روزے رکھے ہوں۔

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے التماس کی یا رسول اللہ! مجھے کسی ایسے عمل کی اطلاع دیجئے جو ثواب میں جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو۔ آپ نے فرمایا تم اُس عمل کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس نے گزارش کی یا رسول اللہ! تاہم بتلا تو دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس کی استطاعت رکھتے ہو کہ جب مجاہد جہاد کے لئے نکلے تو تم روزہ رکھ کر افطار نہ کرو اور عبادت میں ایسا قیام کرو کہ تھکنے کا نام نہ لو۔ اس نے عرض کی نہیں۔ فرمایا کہ یہ عمل جہاد کے برابر ہے اور سنن میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر اُمت کے لئے سیاحت ہے اور میری اُمت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے" اور یہ باب بہت وسیع ہے۔ دوسرے عملوں کا ثواب اور ان کی فضیلت اس درجہ وارد نہیں ہوتی جس قدر کہ جہاد فی سبیل اللہ کی وارد ہوتی ہے۔

جان و مال کا محبوب حقیقی کے حضور میں نذر کرنا

جہاد کا نفع دین و دنیا میں عام ہے۔ اس سے خود مجاہد بھی منتفع ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی برکت پاتے ہیں اور یہ تمام اقسام کی باطنی اور ظاہری عبادات پر مشتمل ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے اخلاص اور اس پر توکل کو متضمن ہے اس میں اپنی جان اپنے محبوب حقیقی کی سرکار میں نذر کی جاتی ہے اور مال بھی۔ اسی طرح

یہ صبر، زہد، ذکر الٰہی اور تمام قسم کے اعمال پر مشتمل ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ کو دو میں سے ایک نہ ایک خوبی اور کامرانی ضرور حاصل ہوتی ہے۔ یا فتح وظفر یا شہادت اور جنّت جہاد کرنے والا اپنی زندگی اور موت کو دنیا اور آخرت میں انتہا درجے کی سعادت میں استعمال کرتا ہے اور ترکِ جہاد سے یہ دونوں سعادتیں ہاتھ سے جاتی رہتی ہیں۔ اور زندگی اور موت دونوں میں نقص رہ جاتا ہے۔ لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جو دین اور دنیا میں نہایت سخت قسم کے اعمال کی طرف رغبت کرتے ہیں حالانکہ جہاد کے مقابلہ میں ان دونوں کی منفعت قلیل ہے۔ جہاد ہر سخت سے سخت عمل سے زیادہ نفع بخش ہے اس کے علاوہ شہید کی موت تمام قسم کی موتوں سے زیادہ آسان ہے۔ شہید تمام قسم کی میتّوں میں سب سے افضل ہے۔

جہاد کا مقصد اور عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت

قتال کی اصل جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس سے غرض یہ ہے کہ دین سب کا سب اللہ کا ہو جائے اور کلمۂ اسلام سربلند ہو۔ پس جو کوئی اس مقصد کی تکمیل میں مزاحم ہوگا باتفاق المسلمین اس سے قتال کیا جائیگا۔ اور جو کوئی اہلِ ممانعت اور اہلِ مقاتلہ میں سے نہ ہو جیسے عورتیں، بچے، راہب، زیادہ معمّر، اندھے اور آفت رسیدہ ان کو جمہور علماء کے نزدیک قتل نہ کرنا چاہیے بجز اس صورت کے کہ وہ اپنی زبان یا فعل سے مقاتلہ کریں اگرچہ بعض علماء عورتوں اور بچّوں کے سوا دوسروں کا قتل ان کے مجرد کفر کی

وجہ سے مباح قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ مسلمانوں کا مال ہیں لیکن مسلک اوّل بہت صحیح ہے کیونکہ قتال تو اُس شخص کے خلاف ہوتا ہے کہ جب ہم دین اللہ کے اظہار کا ارادہ کریں تو ہم سے مبارزت خواہ ہو چنانچہ رب قدیر فرماتا ہے کہ اللہ کے راستے میں اُن لوگوں سے قتال کرو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور سنن میں مروی ہے کہ ایک غزا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گذرے جو مقتول پڑی تھی اور لوگ اُس کی لاش کے پاس کھڑے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جب یہ کسی سے لڑی نہیں تو اس کو کیوں قتل کیا گیا؟ اور پھر ایک شخص سے فرمایا کہ خالدؓ کے پاس جاؤ اور جا کر کہو کہ کسی بچے اور مزدور وغیرہ کو نہ مارا جائے اور اسی حدیث میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "شیخ فانی (یعنی زیادہ معمّر آدمی) اور بچے اور صغیر اور عورت کو نہ مارو" اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے قتل نفوس اُسی حد تک مباح کیا ہے جہاں تک خلق کی اصلاح و بہبود کے لئے اس کی حاجت ہے۔ چنانچہ رب قدیر نے فرمایا :- اور فتنہ قتل سے بہت بڑا ہے یعنی گو قتل میں بھی شر و فساد ہے لیکن کفّار کے فتنہ میں جو شر و فساد ہے وُہ قتل کے فساد سے بہت بڑا ہے۔

پس جو کافر مسلمانوں کو اقامت دین اللہ سے نہ روکے اس کے کفر کی مضرت اسی کی ذات تک محدود رہتی ہے۔ اس لئے فقہانے فرمایا کہ جو کوئی ایسی بدعت کی

جو کتاب و سنّت کی مخالف ہو دعوت دے اس کو وہ سزا دی جائے جو خاموش رہنے والے بدعتی کو نہیں دی جائیگی اور حدیث میں ہے کہ جب کوئی گناہ مخفی ہو تو وہ اُسی کو نقصان پہنچاتا ہے جو اس کا مرتکب ہو لیکن جب وہ ظاہر ہو جائے اور اس سے انکار نہ کیا جائے تو اس کی مضرت عام ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے شریعت نے قتالِ کفّار واجب کر دیا ہے لیکن اُس وقت تک واجب نہیں کیا جب تک ان کے مقابلہ کی پوری قدرت نہ حاصل ہو جائے۔

اہلِ عرب سے جزیہ قبول کرنا جائز نہیں

اہلِ کتاب اور مجوس سے اُس وقت تک مقاتلہ کرنے کا حکم واجب ہے جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ دینا قبول نہ کریں۔ ان کے سوا جو دوسرے کفّار ہیں ان سے جزیہ قبول کرنے کے متعلق علماء میں اختلاف ہے لیکن عامۂ فقہاء مشرکین عرب سے جزیہ قبول کرنا روا نہیں رکھتے۔ بعض فرقے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن بعض اُن شرائع کے جو بالکل ظاہر اور متواتر ہیں، منکر ہیں۔ ان کے خلاف بھی باتفاق المسلمین اس وقت تک جہاد واجب ہے جب تک کہ تمام دین اللہ ہی کا نہ ہو جائے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے مانعینِ زکوٰۃ سے جہاد کیا تھا۔ ابتداء میں بعض صحابہ کو ان کے قتال میں توقف تھا لیکن آخر میں سب متفق ہو گئے تھے۔

مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف صدیقِ اکبرؓ کا جہاد

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف رزم خواہ ہونے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت عمر فاروق رضؓ کہنے لگے ہم ایسی حالت میں ان کے خلاف کس طرح تلوار اٹھا سکتے ہیں جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے لوگوں سے مقاتلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا قابلِ پرستش کوئی نہیں اور یہ کہ محمد رسول اللہ ہیں۔ جب وہ اس بات کے قائل ہو گئے تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کر لئے۔ بجز حقوق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے (یعنی اگر کسی شخص کے دل میں کفر مخفی ہو گا تو اللہ تعالیٰ خود قیامت کو اس سے سمجھ لے گا) حضرت ابوبکر رضؓ نے فرمایا کہ زکوٰۃ بھی اسلام کا حق ہے اور خدا کی قسم! اگر انہوں نے ایک رسّی بھی جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دیتے تھے مجھ سے روکی تو میں ان سے مقاتلہ کروں گا۔ حضرت عمر رضؓ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قتال کے لئے حضرت ابوبکر رضؓ کا شرح صدر فرما دیا ہے اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ حق بجانب ہیں۔

خارجیوں سے رزم و پیکار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجوہ کثیرہ ثابت ہے کہ آپ نے خوارج سے قتال

کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ایک قوم ظاہر ہو گی کہ جن کی نمازوں کے مقابلہ میں تم اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر جانو گے۔ وہ لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے حلقوں سے نہیں نیچے اترے گا (یعنی ان کے دلوں پر قرآن خوانی کا کچھ اثر نہ ہو گا) دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔" اور اسی حدیث میں حضرت ابوسعید خدری رضی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی روایت کی کہ وہ اہلِ اسلام کو قتل کرینگے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے اگر میں اُن کو پاؤں تو ان کو قوم عاد کی طرح قتل کر دوں یعنی ان کی جڑ کاٹ دوں۔"

یہی وہ لوگ ہیں جن کو خارجی کہتے ہیں اور حروریہ کے نام سے مشہور تھے اور امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو تہس نہس کیا تھا۔ یہی مارقین ہیں جو اسلام سے خارج ہو گئے تھے اور اسلامی جماعت سے مفارقت اختیار کی تھی۔ یہی وہ حرماں نصیب تھے جنہوں نے اپنے سوا تمام مسلمانوں کا خون اور مال مباح کر دیا تھا۔ پس کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہوا کہ جو کوئی شریعتِ اسلام سے خارج ہو اس سے جنگ کی جائے اگرچہ شہادتین سے متکلم ہو

اُس طائفہ کے متعلق فقہا کا اختلاف ہے جو سنتِ موکدہ کا تارک ہو مثلاً صبح کی دو رکعت سنت نہ پڑھتا ہو کہ اس سے جہاد کیا جائیگا یا نہیں ہمارے اسکے متعلق دو قول ہیں

تارکینِ فرائض اور مرتکبینِ محرّمات کے خلاف جہاد

اگر کوئی جماعت فرائض کی تارک اور محرّمات ظاہرہ کی مرتکب ہو تو اس کے خلاف بھی جنگ کی جائے یہاں تک کہ وہ نماز پنجگانہ کی پابندی کریں۔ زکوٰۃ دینے لگیں، روزے رکھیں۔ بیت اللہ کا حج کریں اور نکاحِ محرّمات، حرامخوری، مسلمانوں کی جان و مال میں دست درازی کرنے اور اس قسم کے دوسرے محرّمات سے باز آ جائیں۔ جیسا کفّار کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچ جائے تو ان کے خلاف شروع ہی میں قتال کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

جہادِ اقدام

مسلمانوں کی طرف سے اعدائے دین کے خلاف رزم خواہ ہونے میں ابتدا کرنا واجب ہے اور جب ابتداء میں اتنی جماعت نے قیامِ جہاد کیا جو اعدائے دین کے لئے کفایت کرتی ہو تو دوسروں کے ذمّہ سے فرضیّت ساقط ہو جاتی ہے لیکن اصل فضیلت اُس کی ہے جس نے اس کا آغاز کیا چنانچہ رب قدیر فرماتا ہے جو غیر معذور مسلمان جہاد سے بیٹھ رہے بر لوگ درجے میں ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مال و جان سے خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اللہ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں بڑی فضیلت دی ہے اور یوں تو

اللہ کا مبارک وعدہ سب ہی (مومنوں) سے ہے۔ اور اللہ نے ثواب عظیم کے اعتبار سے مجاہدوں کو بیٹھے رہنے والوں پر بڑی برتری بخشی ہے (۴: ۹۵)

کفّار کی چڑھائی کے وقت ہر مسلمان پر جہاد فرض ہو جاتا ہے

جب کفّار مسلمانوں پر چڑھ آئیں تو ان کی مدافعت تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتی ہے یعنی جن مسلمانوں پر حملہ نہیں کیا گیا ان پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ان برادرانِ دین کی مدد کریں جن پر اعداء نے تاخت کی ہو۔ چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے "اگر دین کے بارہ میں تم سے طالب امداد ہوں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے مگر اُس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور اُن میں (صلح کا) عہد و پیمان ہو (۸: ۷۲)

اور یہ امداد ہر شخص پر اس کے حسبِ امکان واجب ہوتی ہے ہر مسلمان اپنی جسمانی طاقت، مالی حالت، سواری کی موجودگی یا عدم وجود اور دوسرے وسائل جہاد کے لحاظ سے امداد کا ذمّہ دار ہے۔ چنانچہ جب غزوۂ خندق میں اعداء مدینہ منوّرہ پر چڑھ آئے تو اللہ تعالےٰ نے کسی مسلمان کو ترکِ جہاد کی اجازت نہ دی۔ غزوۂ احزاب کے ذکر میں رب العالمین فرماتا ہے:۔ ان میں سے کچھ لوگ نبیؐ سے گھر لوٹ جانے کی اجازت مانگنے لگے اور کہا کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں بلکہ ان کا قصد محض بھاگنے کا ہے (۳۳: ۱۳)

پس مسلمانوں کی طرف سے یہ اقدام دین، حرمت اور جان کی طرف سے مدافعت ہے

جہاد مدافعت اضطراری ہے۔ لیکن جہادِ اقدام دین کی ترقی، اعلاء کلمۃ اللہ اور اعلائے دین کو مرغوب کرنے کے لیئے ہے۔ جہادِ اقدام کی مثال غزوہ تبوک وغیرہ ہیں اور عقوبت کی یہ نوع طوائف منکرین کے لیئے ہے۔ اور وہ لوگ جو دائرہ اسلام میں داخل ہیں اُن پر فرائض خداوندی کے ترک پر مواخذہ لازم ہے۔ اسی طرح اداء امانات، ایفائے عہد وغیرہ امور کے متعلق لوگوں سے باز پُرس کرنی چاہیئے۔ علیٰ ہذا تمام معاملات کے متعلق کوشش کرنی چاہیئے کہ لوگ پوری طرح احکامِ اسلامی کے پابند رہیں۔

بے نماز مرد یا عورت کو شکنجۂ عذاب میں کسنا

جو مسلمان مرد یا عورت نماز نہ پڑھیں ان کو نماز کا حکم دیں۔ اور اگر انکار یا لیت و لعل کریں تو انہیں باجماع العلماء اُس وقت تک شکنجۂ عذاب میں برابر کسے رہیں جب تک وہ نماز کے پابند نہ ہو جائیں۔ بہت سے علماء نے بے نماز کا قتل واجب بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ پہلے اس کو سمجھانا چاہیئے۔ اگر توبہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو بہتر ورنہ قتل کر دیا جائے جو شخص نماز نہ پڑھنے کی بنا پر قتل کیا جائے بعض علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ وہ کافر اور مرتد ہونے کی حالت میں مرا اور دوسروں کے نزدیک وہ کفر پر تو نہیں مرا البتہ اُس نے حالتِ فسق میں جان دی۔ امام احمد وغیرہ کے مذہب میں یہی دو قول ہیں۔ اور اکثر سلف سے جو منقول ہے وہ بے نماز

کے کفر کو مقتضی و مستلزم ہے۔ یہ اُس صورت میں ہے کہ تارکِ صلوٰۃ نماز کی فرضیت کا قائل ہو۔ لیکن جو شخص سرے سے فرضیتِ نماز ہی کا منکر ہو وُہ بالاتفاق کافر اور خارج از اسلام ہے۔

بچّوں کے والدین اور دوسرے اولیاء پر واجب ہے کہ جب لڑکا یا لڑکی سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو انہیں نماز پڑھنے کی ترغیب دیں اور برابر نماز کے لئے کہتے رہیں اور جب دس سال کے ہو کر نماز کی پابندی نہ کریں تو حسبِ فرمان نبیؑ کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں زدکوب کریں اور جبراً نماز پڑھائیں اور انہیں بستر خواب سے علیحدہ کر دیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ سب لوگ مسجدوں میں جاکر باجماعت نماز ادا کریں اور اسی طریق پر پڑھیں جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرماتے تھے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اسی نمونہ کی نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو (رواہ البخاری) ایک مرتبہ نبیؑ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو منبر کیطرف بھی نماز پڑھائی اور فرمایا میں نے اس لئے ایسا کیا ہے کہ میری پوری طرح پیروی کرو اور میری نماز سیکھو۔

امامِ نماز کا فرض

نماز اور دوسرے ارکان دین کے امام المسلمین پر لازم ہے کہ وُہ لوگوں کے افعال کو نظرِ غائر سے دیکھتے تاکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل سے تعلق رکھنے والا کوئی عمل بھی ان سے فوت نہ ہو تاکہ اربابِ ایمان کمالِ دین کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوں

اور پیش امام کو لازم ہے کہ لوگوں کو کامل نماز پڑھائے اور فرض نمازوں کو ہلکا کر دے نماز جماعت کو بقدر ضرورت پر اکتفا کرے اور مختصر سی نماز پڑھائے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہو تو دوسری بات ہے۔

حاکم کے لئے ہر چیز کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ رعایا کے حق میں نیک نیت اور مسلمانوں کا بھی خواہ رہے۔ دین کے ہر کام میں اخلاص ہو اور توکل علی اللہ کی حبل متین کو کبھی ہاتھ سے نہ دے کیونکہ حاکم کا اخلاص اور توکل جمع ہو کر خاص و عام کیلئے منفعت بخش اور بابرکت ثابت ہوتا ہے اور ہم اپنی نمازوں میں "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ (الٰہی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) کہنے کے مامور ہیں بعض علماء کا قول ہے کہ یہ دونوں کلمے تمام کتب سماوی کے معانی کے جامع ہیں۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مغازی میں سے ایک غزا میں کہا اے یوم جزا کے مالک ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں" تو لوگوں کے سر ایک طرف کو جھک گئے۔

رب قدیر نے اسی مضمون کو اپنی کتاب مقدس کے کئی مواضع میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً فرمایا اسی کی عبادت کہا اور اسی پر بھروسہ رکھ اور فرمایا میں نے اس پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں"۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب اپنی قربانی ذبح کرتے تو فرماتے الٰہی! یہ تیری طرف سے ہے اور تیری طرف ہے۔

خلوص، توکّل اور نماز کی پابندی

صاحبِ حکومت کی خصوصاً اور دوسرے مسلمانوں کی عموماً عون و نصرت کرنا چاہو تو اُسکو سہ گانہ سے ہو سکتی ہے۔ اوّل ہر کام خاص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کیا جائے اور دُعا وغیرہ کے التزام کے ساتھ اسی پر توکل رہے۔ اس کی اصل دل اور بدن کے ساتھ نمازوں کی پابندی کرنا ہے۔ دوسرے خلقِ خدا کو نفع پہنچا کر ان پر احسان کرنا اور مال زکوٰۃ سے ان کی مدد کرنا۔ تیسرے خلقِ خدا کی ایذاؤں اور دوسری مشکلات میں شیوۂ صبر و رضا اختیار کرنا۔ اسی وجہ سے خدائے کلیم و برتر نے اپنے کلام پاک میں بہت سے مقامات میں نماز اور صبر کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا (مشکلات میں) صبر اور نماز کا سہارا پکڑو (۲ : ۴۵) اور فرمایا دن کے دونوں سروں میں (یعنی صبح اور شام) اور اوّل شب کے ایک ٹکڑے میں نماز پڑھا کرو۔ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں اور جو لوگ ذکر الٰہی کرنے والے ہیں۔ ان کے حق میں یہ ایک طرح کی یاد دہانی ہے اور (عبادت کی تکلیف کو بخوشی) برداشت کرو۔ اللہ تعالیٰ نیکیوں کے اجر ضائع نہیں ہونے دیتا (۱۱-۱۱۴-۱۱۵) اور فرمایا اے پیغمبر! ان باتوں پر صبر کرو اور طلوعِ آفتاب سے پہلے اور اس کے غروب کے بعد اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح (و تقدیس) کیا کرو (۲۰ : ۱۳۰) اور فرمایا ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ (کافر) جو باتیں کہتے ہیں ان کی وجہ سے تم دل تنگ ہوتے ہو۔ پس تم اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح

(و تقدیس) کرو اس کی جناب میں سربسجود ہو۔

چہرے کی بشاشت اور خوش کلامی بھی صدقہ ہے

قرآن میں نماز اور زکوٰۃ کیساتھ صبر کا بھی بکثرت ذکر کیا گیا ہے کیونکہ نماز، زکوٰۃ اور صبر کا قیام راعی اور رعیت کے حال کی اصلاح کا کفیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور دعا تلاوتِ قرآن اور دین کا اللہ کے لئے خالص کرنا اور اسی ذات برتر پر بھروسہ رکھنا یہ سب چیزیں نماز میں داخل ہیں۔ زکوٰۃ، خلق پر مال خرچ کر کے احسان کرنے مظلوم کی مدد کر کے نفع پہنچاتے، مصیبت زدہ کی دستگیری کرنے اور حاجت روائی کرنے پر مشتمل ہے اور حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نیک کام کا صدقہ ہے۔ پس صدقہ میں ہر قسم کی نیکی اور احسان داخل ہے۔ یہاں تک کہ چہرے کی بشاشت اور خوش کلامی بھی اسی میں آجاتی ہے۔

صحیحین میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی ایسا نہیں جس سے رب العالمین ہم کلام نہ ہوگا۔ اس کے اور تمہارے درمیان کوئی حاجب اور ترجمان نہ ہوگا۔ انسان اپنی داہنی طرف دیکھے گا تو اپنے عمل ہی عمل نظر آئیں گے۔ بائیں طرف نظر اٹھائے گا تو ادھر بھی اپنے عمل دکھائی دینگے۔ پھر سامنے کو دیکھے گا تو جہنم شعلے مارتی دکھائی دیگی۔ پس جس شخص میں استطاعت ہے وہ دوزخ سے بچے اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا خیرات کر کے ہی بچ سکے اور یہ بھی میسّر

نہ ہو تو شیریں کلامی (ہی سے اپنے مومن بھائی کا دل خوش کر دیا کرے) اور سنن میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی نیک کام کو بھی حقیر (اور ناقابل التفات) نہ سمجھو۔ یہ بھی ایک نیک عمل ہے کہ اپنے مسلمان بھائی سے ایسی حالت میں ملاقات کرو کہ اس کو دیکھ کر تمہارے چہرے پر بشاشت اور انبساط ہو۔ اور یہ بھی ایک نیکی ہے کہ پانی کے حاجت مند کے برتن میں اپنا پانی کا ڈول ڈال دیا کرو۔

حسنِ خلق کی اہمیت

سنن میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن عملوں کی ترازو میں جو چیز سب سے زیادہ بوجھل نکلے گی وہ حسنِ خلق ہوگا۔ صبر میں تکلیف اٹھانا غصہ پی جانا، لوگوں کو معاف کر دینا، ہوا و ہوس کی مخالفت، شر اور عذر سے دست برداری بھی اعمال صالح ہیں۔ رب العزت فرماتا ہے۔ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں اور پھر اس نعمت کو اس سے چھین لیں تو وہ ناامید ہو کر ناشکری کرنے لگتا ہے اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچی ہو اور تکلیف کے بعد ہم اس کو آرام کی لذت چکھائیں تو کہنے لگتا ہے کہ اب مجھ سے سب سختیاں دور ہو گئیں کیونکہ وہ بہت خوش ہونے والا اور شیخی خورا ہے۔ باستثناء۔ ان لوگوں کے جو صبر و ضبط سے کام لیتے ہیں اور عمل کرتے ہیں یہی ہیں جن کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے (۱۱:۱۰-۱۱)

اب قدیر نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا درگزر کا شیوہ اختیار کرو

اور (لوگوں کو) نیک کام کو کہو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو (۷: ۱۹۹) اور فرمایا اپنے
پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف لپکو جس کا پھیلاؤ اتنا وسیع ہے جیسے زمین و
آسمان کی وسعت۔ یہ ان متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو خوش حالی اور تنگدستی
(دونوں حالتوں) میں اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پی جاتے ہیں اور
لوگوں کے قصوروں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے
(۳: ۱۳۳-۱۳۴)

اور فرمایا نیکی اور بدی مساوی نہیں ہو سکتیں۔ برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے
کرو جو بہترین برتاؤ ہو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم میں اور کسی شخص میں جو عداوت تھی وہ دور
ہو جائیگی اور وہ ایسا ہو جائیگا کہ گویا تمہارا ہمدرد دوست ہے اور حسن مدارات کی
توفیق انہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ انہی افراد کو عطا ہوتی ہے جو
بڑے خوش نصیب ہیں اور اگر تم کو کسی طرح کا شیطانی وسوسہ گدگدائے تو اللہ تعالیٰ
سے پناہ مانگ لیا کرو کہ وہ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ (۴۱: ۳۴-۳۶)

اور فرمایا برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے لیکن جو کوئی معاف کر دے اور صلح کر
لے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔ بیشک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا (۴۲: ۴۰)

معاف کر دینے کی فضیلت

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو کوئی ندا کرنے والا عرش

کے بطن سے آواز دے گا کہ اللہ تعالیٰ پر جس کا کوئی اجر واجب ہو، وہ کھڑا ہو جائے اُس وقت اس شخص کے سوا کوئی کھڑا نہ ہو گا جس نے کسی کو معاف کیا ہو گا اور صلح کر لی ہو گی اور رعایا کے حق میں حسن نیت اور ان سے احسان کرنے کی یہ صورت نہیں ہے کہ وہ اُس کام کو کرے جس کے وہ خواہشمند ہوں اور اُس سے دست بردار ہے جس کو ناپسند کرتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور اگر حق ان کی خواہشوں کا پابند ہوتا تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اُن سب کا نظام درہم برہم ہو گیا ہوتا۔ (۲۳ : ۷۱) اور صحابۂ کرام رضی سے فرمایا :- اور جانو کہ تم میں رسولِ خدا موجود ہیں اور اگر وہ اکثر باتوں میں تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ (۴۹ : ۷)

بلکہ رعایا کے ساتھ احسان یہ ہے کہ حاکم ان سے ایسا برتاؤ کرے جو انہیں دین اور دنیا میں نفع دے اگرچہ کوئی متنفس اس سلوک سے ناخوش ہی کیوں نہ ہو اور حاکم کا فرض ہے کہ وہ اس کام میں جسے وہ ناپسند کرتے ہوں ان سے نرمی کا برتاؤ کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث صحیح میں فرمایا کہ کوئی کام ایسا نہیں جس میں رفق وملاطفت کو دخل ہو اور وہ اسے زینت نہ بخشے اور کوئی ایسا کام نہیں جو سختی سے ہمکنار ہو اور وہ اس کو عیب دار نہ کر دے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رفیق ہے رفق یعنی نرمی کو پسند کرتا ہے اور رفق پہ وہ کچھ عنایت فرماتا ہے۔ سختی اور درشتی پر عطا نہیں کرتا اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ فرماتے تھے واللہ! میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں ان کے سامنے حق کی تلخی پیش کروں لیکن ڈرتا ہوں کہ اس

سے بھاگیں گے بلکہ میں صبر کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ دنیا کی شیرینی آجائے تو میں اس شیرینی کے ساتھ حق کی تلخی پیش کردوں۔ اگر تلخی سے بھاگیں گے تو شیرینی کی خاطر ٹھہریں گے۔

آنحضرت حاجت روائی کے بغیر کسی کو واپس نہ بھیجتے

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی حاجت مند آتا تو آپ حاجت روائی کے بغیر اس کو کبھی نہ لوٹاتے اور اگر میسر نہ ہوتا تو شیریں کلامی ہی پر اکتفا فرماتے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قرابت دار نے آپ سے درخواست کی کہ اسے صدقات کی وصولی پر متعین فرما کر اس کے لئے روزگار کی سبیل مہیا فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ زکوٰۃ نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حلال ہے اور نہ آلِ محمدؐ کو۔ آپ نے زکوٰۃ تو اپنے اقربا سے روک دی اور اس کے عوض میں خمس سے ان کی مدد فرمائی ایک مرتبہ حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم میں حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کی تربیت کے متعلق اختلاف ہوا اور تینوں حضرات فصلِ نزاع کے لئے دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی جناب جعفر طیار کے حوالے کی اور پھر کلماتِ حسنہ اور خوش بیانی کے ساتھ تینوں کو اپنی اپنی جگہ پر خوش کر دیا حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں۔ حضرت جعفرؓ سے فرمایا تم خَلق اور خُلق میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو اور

حضرت زیدؓ سے کہا کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہو۔

حاکم کو خوش اخلاق رہنا چاہیے

ولی امر اور صاحبِ حکومت کو بھی اسی شیریں کلامی اور خوش گفتاری کا ثبوت دینا چاہیے افرادِ رعایا طرح طرح کی درخواستیں حکام کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں۔ اگر ممکن ہو تو ان کی درخواستوں کو شرفِ قبول بخشیں ورنہ نرم کلامی سے انکار کریں بشرطیکہ سائل کوئی ایسا مجرم نہ ہو جس پر سختی کرنی چاہیے۔ سائل کی درخواست رد کی جائے تو اس کی دل شکنی ہوتی ہے اس لیے حتی الامکان اس کا کام کر دینا چاہیے خصوصاً اس شخص کا جس کی تالیفِ قلب ضروری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور سائل کو کبھی نہ جھڑکنا (۹۳: ۱۱) اور فرمایا (اپنے) رشتہ دار اور مسکین اور (بے خرچ) مسافر (ہر ایک) کو اس کا حق پہنچاتے رہو اور (روپیہ پیسہ کو) بیجا مت اڑاؤ کیونکہ بیجا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ اور اگر تم کو اپنے پروردگار کے فضل و رحمت کے انتظار میں جس کی تم کو توقع ہو ان (مساکین وغیرہ) سے اعراض کرنا پڑے تو (کم از کم) ان سے شفقت آمیز گفتگو ہی کرو (۱۷: ۲۶-۲۸)

جب کسی تحکمانہ لہجہ میں گفتگو کی جائے تو اس سے اس کی دل آزاری ہوتی ہے اور اگر ایسا لب و لہجہ اور عمل اختیار کیا جائے جس سے اس کا دل خوش ہو

تو یہ کامل درجہ کی سیاست ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے طبیب مریض کو کوئی ایسی
خوش مزہ چیز دے جس کی مدد سے بدمزہ دوا کا حلق سے اُتارنا آسان ہو جائے۔
جب رب العالمین نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو انہیں اور ان
کے بھائی ہارون علیہ السلام کو حکم دیا کہ (اس کے پاس پہنچ کر) اس سے نرمی سے بات
کرنا، شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا (ہمارے عتاب سے) ڈرے (۲۰: ۴۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری
رضی اللہ عنہما کو یمن کے عامل بنا کر بھیجا تو ان سے فرمایا کہ نرمی کرنا، سختی سے بچنا،
لوگوں کو خوش دل کرنا، ان کی رضا جوئی کرنا۔ دشمن نہ بنانا۔" ایک مرتبہ ایک دیہاتی
آکر مسجد نبوی میں موتنے لگا۔ صحابہ کرام اس کی طرف لپکے۔ آپ نے آواز دی کہ اس کا
پیشاب نہ روکو۔ پھر پانی کا ایک ڈول منگوا کر مسجد کو دھلوا دیا اور صحابہ کرامؓ سے فرمایا
کہ تم نرمی کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو۔ سخت گیری کے لئے مبعوث نہیں ہوئے۔" یہ
دونوں حدیثیں صحیحین میں ہیں۔

حظوظ نفسانی بھی بشرطِ نیتِ صالحہ داخلِ عبادت ہیں

مرد کو اپنی اور اپنے گھر والوں اور رعیت کی سیاست میں نرمی اور دوسری مرغوب
خصلتوں کی ضرورت ہے کیونکہ نفوسِ انسانی ان حظوظ کے بغیر حق قبول نہیں کرتے
جن کی امداد کے وہ محتاج ہیں۔ پس یہ حظوظ نفسانی بھی بشرطِ نیتِ صالحہ عبادت

اور طاعتِ الٰہی میں داخل ہیں تم دیکھتے ہو کہ کھانا، پینا اور لباس پہننا انسان پر واجب ہے۔ یہاں تک کہ اگر اضطراری حالت پیدا ہو تو عامۃ العلماء کے نزدیک اُس پر مُردار کھانا واجب ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص حالتِ اضطرار میں مُردار کھائے بغیر مر جائیگا تو دوزخ میں داخل ہو گا۔ کیونکہ عبادتیں کھائے پیئے اور پہنے بغیر ادا نہیں ہو سکتیں اور جس چیز کے بغیر واجب ادا نہ ہو سکتا ہو وہ چیز بھی واجب ہوتی ہے اسی وجہ سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا نفقہ دوسرے تمام مصارف و ضروریات پر مقدم ہے اور سنن میں مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنے اُوپر خرچ کرو۔ اس نے گذارش کی کہ ایک اور دینار بھی رکھتا ہوں فرمایا اپنے بیٹے پر صدقہ کرو۔ وہ عرض پیرا ہوا یا رسول اللہ! ایک دینار اور بھی ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے مصرف کو تم زیادہ سمجھ سکتے ہو۔

اہل و عیال پر خرچ کرنے کا ثواب

صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دینار تم نے آزاد کرانے میں صرف کیا ایک دینار مسکین پر خرچ کیا۔ اور ایک دینار اپنے اہل و عیال پر صرف کیا پس وہ دینار جو تم نے اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کیا وہ اجر و ثواب میں سب سے فائق ہے۔" اور مسلم نے حضرت ابو امامہ

باہلیؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن آدم! اگر تو فاضل کو صدقہ میں دے گا تو تیرے لئے بہتر ہوگا اور اگر روک رکھے گا تو تیرے لئے زبوں ہوگا اور اگر کفاف پر اکتفا کرے گا تو تجھ پر کچھ ملامت نہ ہوگی اور شروع اس سے کر جس کا تجھ پر بوجھ ہے اور اُوپر کا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔

سائل کو رد کرنا

اور یہی اس ارشاد خداوندی کا مطلب ہے کہ تم سے پوچھتے ہیں کہ (خدا کی راہ میں) کتنا خرچ کریں۔ کہو کہ عفو یعنی جتنا تمہاری حاجت سے زیادہ ہو (۲: ۲۱۹) عفو فاضل اور فالتو کو کہتے ہیں اور فالتو خرچ کرنے کا حکم اس بنا پر دیا گیا ہے کہ مرد کا اپنے اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا فرض عین ہے بخلاف دوسرے نفقات کے۔ مثلاً جہاد پر خرچ کرنا یا مسکینوں پر خرچ کرنا تو یہ باعتبار اصل یا فرض کفایہ ہے یا مستحب ہے۔ گو یہ کبھی واجب بھی ہو جاتا ہے، چنانچہ بھوکے کو کھانا کھلانا واجب ہے۔ اسی بنا پر حدیث میں ہے کہ اگر سائل اپنے بیان میں سچا ہو تو اس کو رد کرنے والا فلاح نہیں پاتا۔ اسی کو امام احمد نے لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر سائل کی سچائی ثابت ہو جائے تو اس کو کھانا کھلانا واجب ہے۔

داؤد علیہ السلام کی حکمت

ابو حاتم بستی نے اپنی صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ذر غفاریؓ کی

طویل حدیث روایت کی ہے جس میں حکمت اور علم کی بہت سی باتیں مذکور ہیں آپ فرماتے ہیں :۔ داؤد علیہ السّلام کی حکمت میں یہ بھی تھا کہ عاقل پر لازم ہے کہ اس کے لئے چار ساعتیں ہوں۔ ایک ساعت میں اپنے پروردگار کی بارگاہ عالی میں مناجات کرے، ایک ساعت میں اپنے نفس کی محاسبہ کرے۔ ایک ساعت خالی رکھے جس میں دوست واحباب جمع ہو کر اس کی مدد کریں اور اس سے ضروری گفتگو کرسکیں اور ایک ساعت نفس کی حلال خواہشوں کے لئے خالی رکھے۔

مباح اور جمیل لذتوں کی ضرورت

اس سے ثابت ہوا کہ آدمی کے لئے مباح اور جمیل لذتیں بھی ضروری ہیں کیونکہ وہ ان امور پر مددگار ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر فقہاء نے فرمایا ہے کہ عدالت دین اور زینت کی درستی کا نام ہے اور زینت سے مراد ان چیزوں کا استعمال ہے کہ آدمی کو جمیل اور مزین بنا دیں اور گندگی اور ناپاکی سے دور رکھ کر لطافت سے موصوف کریں حضرت ابو درداء صحابی رض کہا کرتے تھے کہ میں اپنے آپ کو باطل سے بچاتا ہوں تاکہ حق پر اُس سے مدد لوں۔ خدائے حکیم و بہتر نے لذات اور شہوات کو دراصل اس لئے پیدا کیا ہے کہ خلق کی فلاح و بہبود پایۂ تکمیل کو پہنچے کیونکہ لوگ ان کے ذریعہ سے اسی طرح جلب منفعت کرتے ہیں جس طرح خالق کردگار نے غضب کی اس لئے تخلیق فرمائی کہ انسان اس کے ذریعہ سے مضرت کی چیزوں کو اپنے آپ سے

دور رکھے اور شہوات میں سے وہ چیزیں حرام کر دیں جو ہمارے لئے ضرر رساں تھیں اور اس شخص کی مذمت فرمائی جو ہوائے نفس کا غلام بن جائے۔

جنسی اختلاط بھی کارِ ثواب ہے

لیکن جو کوئی مباحِ جمیل سے حق و صدق میں امداد حاصل کرے تو یہ استعانت اعمالِ صالحہ میں داخل ہے۔ اسی وجہ سے حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے بی بی کے پاس جانا بھی صدقہ یعنی کارِ خیر ہے۔ صحابہ عرض پیرا ہوئے یا رسول اللہ! جب ایک شخص نفسانی خواہش کے ماتحت بیوی سے مقاربت کرتا ہے تو اس کو ثواب کس طرح ہوگا؟ فرمایا بتاؤ کہ اگر وہ شخص اپنی نفسانی خواہش کو حلال کی بجائے حرام کاری میں پورا کرتا تو اس کو گناہ ہوتا یا نہیں؟ صحابہ نے کہا۔ ہاں ضرور گناہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ جس طرح حرام فعل میں گناہ ہوگا۔ اسی طرح حلال پر ثواب ہوگا"۔ اور حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد رضؓ سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس سے تمہارا ایک درجہ بلند ہو جائیگا۔ یہاں تک کہ اگر تم اپنی بیوی کے منہ میں ایک لقمہ ڈالو گے (یعنی اس کو ایک لقمہ کھلاؤ گے) تو اس سے بھی تمہیں ایک رفعت نصیب ہوگی۔

اس مضمون کی بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ بس جب مومن کی نیت درست ہو تو اس کے تمام افعال مبرّات و حسنات ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے صلاح قلب اور

حسنِ نیت کی بدولت مناجات بھی اس کے اعمالِ صالحہ بن جاتے ہیں۔ اسی طرح منافق کو اس کے فسادِ قلب و نیّت کی وجہ سے اُن عبادتوں پر بھی عذاب ہوگا جو اس سے ریاءً ظاہر ہوتی ہوں گی۔ حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاد رکھو کہ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے کہ جب اس میں صلاحیت ہوتی ہے تو سارا جسم صلاحیت پذیر ہوتا ہے، اور جب وہ فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے یاد رکھو کہ وہ قلب (یعنی دل) ہے۔"

اعمالِ صالحہ کی ترغیب دینا

جس طرح عقوبتیں اس لئے مشروع ہوئیں کہ لوگوں کو فعل واجب اور ترکِ محرّمات پر آمادہ کریں، اسی طرح ہر وہ کام بھی مشروع ہوا جو ادائے واجبات اور ترکِ محرمات میں معاون ہو۔ پس لازم یہ ہے کہ بھلائی اور طاعت کا طریقہ حاصل کیا جائے اور اس کام میں لوگوں کی مدد کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو اس کی ترغیب دی جائے مثلاً اپنے بیٹے یا بیوی یا رعیت کو کچھ دے کر یا تعریف کر کے۔ یا کسی دوسری طرح خوش دل کر کے ان کو عمل صالح کی ترغیب دیں۔ اسی بنا پر گھوڑ دوڑ میں یا اونٹ دوڑا کر سبقت لے جانے والے کو انعام دینا یا تیر اندازی میں کامیاب ہونے والے کو انعام و بخشش سے محظوظ کرنا مشروع ہوا کیونکہ اس میں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے حربی تیاری کی ترغیب ہوتی ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

بنفس نفیس اور آپ کے خلفائے راشدین گھوڑ دوڑ میں حصہ لیتے تھے اور اس میں سبقت لے جانے والوں کو بیت المال سے انعام و اکرام سے نوازتے تھے۔ اسی لحاظ سے مولفۃ القلوب کی امداد بھی مشروع ہوئی۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک آدمی شروع دن میں محض دنیاوی لالچ کی بنا پر دائرہ اسلام میں داخل ہوتا تھا لیکن دن کے آخری حصے میں اس کی یہ حالت ہوتی تھی کہ اسلام اس کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ مرغوب ہوتا تھا۔

جس شر میں کوئی مصلحت راجح نہ ہو

پس ضرورت ہے کہ مادۂ شر کو کاٹ دیا جائے اور اس کی فزونی اور ترقی روک دی جائے اور اس ذریعہ کو دور کر دیا جائے جو شر کی طرف رہنمائی کرنے والا ہو علیٰ ہذا جس شر اور معصیت میں کوئی مصلحت راجح نہ ہو تو اس کا بھی مع قلع قمع کر دینا چاہیئے۔ اس کی مثال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے۔ کہ کوئی مرد کسی پرائی عورت سے ہرگز خلوت نہ کرے کیونکہ ان دونوں میں تیسرا شیطان بھی ہوتا ہے" اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کسی عورت پر جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائی ہے یہ حلال نہیں کہ دو دن بھی ایسی حالت میں سفر کرے جب کہ اس کا شوہر یا کوئی ذی محرم اس کے ساتھ نہ ہو۔ پس آپ نے اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کرنے اور اس کے ساتھ سفر کرنے کی ممانعت فرما دی کیونکہ یہ معیت دکھائی شر و فتنہ کا

ذریعہ تھی۔

خوش جمال لڑکوں کا فتنہ

شعبی کا بیان ہے کہ جب عبد القیس کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ آیا تو اس میں ایک خوبرو اور خوش جمال لڑکا بھی تھا۔ آپ نے اس کو اپنے پیچھے بٹھایا اس کا سامنے بیٹھنا پسند نہ فرمایا[1]۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ رعایا کی حالت معلوم کرنے کے لئے رات کو گشت کیا کرتے تھے۔ ایک رات کسی عورت کو گاتے سنا۔ ان اشعار میں سے ایک شعر کا یہ مضمون تھا کہ کیا مجھے کہیں سے شراب مل سکتی ہے کہ بادہ نوشی سے لذت اندوز ہوں یا نصر بن حجاج تک پہنچنے کی کوئی سبیل ہے؟ حضرت عمرؓ یہ سن کر چلے آئے اور دن کے وقت نصر بن حجاج کو طلب فرمایا اور دیکھا کہ بڑا خوبصورت جوان ہے۔ حکم دیا کہ اس کے سر کے بال مونڈ دو پس اس کا سر مونڈا گیا مگر حسن میں کچھ کمی آنے کی بجائے اس کا جمال اور بڑھ گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت خلافت مآب نے اس کو بصرے کی طرف جلا وطن کر دیا تاکہ اس کی وجہ سے عورتیں فتنے میں نہ پڑیں۔ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ

---

[1] باوجود سید الرسل ہونے کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احتیاط آج کل کے اُن پیروں کے لئے مقام عبرت و موعظت ہے جن کی پاکیزہ روو مہ جمال مریدنیاں نہ صرف بے حجاب ان کے سامنے آتی ہیں بلکہ پیر تک دباتی اور بدن پر مالش کرتی ہیں (مترجم)

فلاں شخص کے پاس لڑکے آکر بیٹھتے ہیں انہوں نے اس کی ممانعت فرمادی۔

چونکہ لڑکوں میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے عورتیں یا مرد فتنے میں پڑتے ہیں اس لئے لڑکے کا ولی اس سے منع کیا گیا ہے کہ وہ حاجت کے بغیر اس کا مظاہرہ کرے یا مجالس لہو و سرود میں اس کو لائے۔ اگر وہ ایسا کریگا تو تعزیر کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح جس شخص سے کوئی فجور ظاہر ہوا ہو اُس کو بے ریش خوبصورت لڑکوں کا مالک بننے سے روک دیا جائے اور اگر ایسے شخص کی ملکیت میں کوئی لڑکا ہو تو حاکم کو چاہیئے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کردے۔

فقہا۔ اس پر باہم متفق ہیں کہ اگر کسی شخص نے عدالت میں جاکر شہادت دی۔ دراں حالیکہ وہ کسی ایسے فسق کا ارتکاب کرچکا ہو جو شہادت میں قادح ہو تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے اور فریق مقابل کو جائز ہے کہ اس پر اس قسم کی جرح کرے اگرچہ اس کا فسق برائی العین نہ دیکھا ہو۔

اس میت کی مغفرت کیے لوگ جس کے مداح ہوں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا لوگوں نے اس کی اچھی تعریف کی۔ آپنے فرمایا وَجَبَتْ وَجَبَتْ (واجب ہوگئی، واجب ہوگئی) پھر ادھر سے ایک اور جنازہ گزرا، لوگ اس کو بُرا کہنے لگے۔ آپ نے فرمایا وَجَبَتْ وَجَبَتْ صحابہ رضی نے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے

جنازے کی تم لوگوں کی تعریف کی تو میں نے کہا کہ اس کے لئے جنت واجب ہو گئی اور دوسرے جنازے کی تم نے مذمت کی تو میں نے کہا کہ اس کے لئے دوزخ واجب ہو گئی۔ تم لوگ زمین پر اللہ کے گواہ ہو"۔

باوجود اس کے آپ کے عہد مبارک میں ایک عورت علی الاعلان فاسقہ تھی۔ اور آپ نے اس کی نسبت فرمایا تھا کہ اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے سنگسار کرتا تو اس عورت کو سنگسار کرتا۔ پس حدیں شہادت کے بغیر قائم نہیں کی جاتیں۔

کسی کی ناحق جان لینا

منجملہ حدود و حقوق کے نفوس یعنی جانیں بھی ہیں۔ اللہ تعالے نے فرمایا۔ اے نبی! کہو کہ ادھر آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی ہیں وہ یہ کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ ٹھیراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو اور مفلسی (کے خوف) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو کیونکہ ہم ہی تم کو رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں ان میں سے کسی کے پاس بھی نہ پھٹکو اور کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے نہ مارنا مگر حق پر۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ حاصل کرو اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا مگر ایسے طور پر کہ (یتیم کے حق میں) بہتر ہو یہاں تک کہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچے اور انصاف کے ساتھ پوری پوری ناپ کرو اور پورا

تول تو لو۔ ہم کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اور جب بات کرو (گواہی یا فیصلے میں) تو گو (فریق مقدمہ) قرابت دار ہی کیوں نہ ہو، انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ جو عہد کر چکے ہو اُس کو پورا کرو۔ یہ وُہ باتیں ہیں جن کا تم کو خدا نے حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ یہی میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو اور دوسرے رستوں پر نہ پڑ لینا کہ یہ تم کو خدا کے رستے سے ہٹا کر تتر بتر کر دیں گے۔ یہ سب وُہ باتیں ہیں جن کا تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

(۶: ۱۵۱-۱۵۳)

مومن کا قتل

فرمایا کہ کسی مومن کو روا نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر لازم ہے کہ ایک مسلمان بردہ آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو اس کا خوں بہا دے بجز اس صورت کے کہ وُہ خون بہا معاف کر دیں۔ پھر اگر مقتول ان لوگوں میں سے ہو جو تم مسلمانوں کے دشمن ہیں اور وُہ خود مسلمان ہو تو ایک مسلمان بردہ (غلام یا لونڈی) آزاد کرنا ہوگا اور اگر مقتول اُن لوگوں میں سے ہو کہ جن سے تمہارا (صلح کا) عہد و پیمان ہے تو قاتل کو لازم ہے کہ وارثانِ مقتول کو خوں بہا دے اور ایک مسلمان بردہ بھی آزاد کرے اور جس کو اس کا مقدور نہ ہو تو وُہ لگاتار دو مہینے کے روزے

رکھیے۔ توبہ کا یہ طریقہ اللہ کا مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کے حال سے باخبر اور صاحب حکمت ہے اور جو کوئی کسی مسلمان کو دیدہ دانستہ مار ڈالے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اس پر پھٹکار پڑیگی اور اللہ نے اس کے لیئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے (۴: ۹۲-۹۳)

اور رب جلیل نے فرمایا کہ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیئے تحریر کر دیا کہ جو کوئی کسی جان کے بدلے کے بغیر یا ملک میں فساد انگیزی کیئے بغیر کسی کو ناحق قتل کر دے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے مرتے کو بچا لیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچا لیا۔ (۵: ۳۲) اور حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے خونریزیوں کا فیصلہ کیا جائیگا

قتلِ عمد کی سزا

قتل کی تین قسمیں ہیں۔ ایک عمد محض۔ وہ یہ ہے کہ کسی کو دانستہ تلوار یا کسی اور چیز سے قتل کر دیں یا بغیر کسی آلہ کے ہلاک کریں جیسے آگ میں جلا کر یا ڈبو کر یا مکان سے گرا کر یا گلا گھونٹ کر یا خصیے دبا کر یا اس قسم کی کسی دوسری ترکیب سے جان لیں۔ قتلِ عمد کی صورت میں قاتل مقتول کے وارثوں کے حوالے کیا جائے چاہیں تو اس کو قتل کریں، چاہیں تو معاف کر دیں اور چاہیں تو دیت (خون بہا) قبول کر لیں لیکن ان کو اس بات کا اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ قاتل کی جگہ اس کے

کسی قرابت دار یا دوست کو ہلاک کریں۔ رب جلیل فرماتا ہے۔ اور جو شخص ظلم سے مار
جائے تو ہم نے اس کے وارث کو (قاتل سے قصاص لینے کا) اختیار دیا ہے تو اس کو
لازم ہے کہ خون کا بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے (۱۷: ۳۳)

اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ قاتل کی بجائے کسی دوسرے کی جان
لی جائے۔ چنانچہ ابو شریح خزاعی کہتے ہیں کہ جس کا کوئی آدمی مارا جائے یا اسے
زخمی کیا جائے تو اس کو تین میں سے ایک بات کا اختیار ہے۔ یا تو قتل کے بدلے
قتل کرلے یا معاف کر دے یا دیت یعنی خونبہا لے لے جس نے ان تینوں کے سوا
کوئی اور کام کیا اس کے لئے ابدی جہنم ہے۔ اس کو اہل سنن نے روایت کیا ہے
اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

پس جس نے معاف کر دینے کے بعد قاتل کی جان لی یا اس سے خونبہا وصول
کیا تو وہ اس شخص سے بھی بڑا مجرم ہے جس نے قتل میں ابتدا کی۔ یہاں تک کہ بعض
علماء نے فرمایا ہے کہ اس کو از روئے حد قتل کر دینا واجب ہے مگر اس کا معاملہ مقتول
کے وارثوں کے دست اختیار میں نہیں دیا جائیگا۔

حق تعالے اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے۔ اے مومنو! جب تمہارا کوئی آدمی
مارا جائے تو تم کو جان کے بدلے جان لینے کا حکم دیا جاتا ہے، آزاد کے بدلے آزاد
غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت پھر جس (قاتل) کو اس کے بھائی
(طالب قصاص سے قصاص کا) کوئی جز معاف کر دیا جائے تو (قاتل کو) اس کی

مرضی کے موافق دستور (شرع) کے موافق چلنا اور (مقتول کے وارثوں کو) خوش معاملگی کے ساتھ (خونبہا) ادا کر دینا چاہیئے (خونبہا کا) یہ حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے حق میں آسانی اور مہربانی ہے۔ اس کے بعد جو فریق حد سے تجاوز کرے اس کے لیئے دردناک عذاب ہے۔ اے عقلمندو! تمہارے لیئے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم (خونریزی سے) بچتے رہو (۲: ۱۷۸-۱۷۹)

قصاص

علماء نے فرمایا ہے کہ مقتول کے اولیاء (یعنی وارث) اس درجہ رنجیدہ اور مغلوب الغضب ہوتے ہیں کہ ان کا جی چاہتا ہے کہ نہ صرف قاتل کو بلکہ اس کے خویش و اقارب کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیں۔ اس لیئے اکثر اوقات قاتل کی جان لے کر مطمئن نہیں ہوتے بلکہ قاتل کے قبیلہ کے بہت سے آدمیوں کو بھی موت کی نیند سلا دیتے ہیں۔ اس طرح قاتل تو ابتدا کرنے میں زیادتی کرتا ہے مگر یہ لوگ بعد میں حد سے بہت تجاوز کر جاتے ہیں۔ اہلِ جاہلیت میں یہ عام رواج تھا اور آج کل کے اہلِ جاہلیت بھی مثلاً صحرانشین اور دوسرے لوگ جو احکام شریعت کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اسی ناہنجاری کا شکار ہو رہے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ مقتول کے وارث قاتل کے خاندان کے ہر اُس شخص کی جان ستانی کے درپے ہو جاتے ہیں جو ان کے ہتھے چڑھے اور بعض اوقات یہ لوگ بدلہ لینے کا حلف اُٹھاتے ہیں اور دوسرے قبیلوں سے بھی امداد کے طالب

ہوتے ہیں حالانکہ ان کا یہ وتیرہ فتنوں کو جگاتا اور عداوت کی آگ اور شدت کے ساتھ مشتعل کرتا ہے۔

ان تمام چیرہ دستیوں کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے عدل کے اصول یعنی قصاص کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں، حالانکہ حق تعالیٰ نے قصاص کا حکم دیا ہے جو مساوات اور معدلت گستری کی بہترین صورت ہے۔ چنانچہ رب العالمین عزاسمہٗ نے ہمیں بتایا ہے کہ قصاص لینے میں قوموں کی زندگی ہے کیونکہ قصاص کا اصول قاتل اور مقتول کے خاندانوں کو غیر قاتل کے خون سے محفوظ رکھتا ہے۔

تمام مسلمانوں کے خون مساوی ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کے خون برابر (یعنی قصاص اور دیت میں یکساں) ہیں اور ان کے ذمہ کے ساتھ ادنیٰ مسلمان بھی سعی کر سکتا ہے) یعنی اگر کوئی ادنیٰ مسلمان بھی کسی غیر مسلم کو پناہ دے تو تمام مسلمانوں کو اس کی امان قبول کرنی ہو گی) اور اس پر رد کرتا ہے جو ان سے بہت دور ہو (یعنی لشکر کے پیچھے آدمی بھی اگرچہ دور ہوں، اس مالِ غنیمت میں شریک ہیں جو اگلوں کو ملا) اور تمام مسلمان ایک ہاتھ کا حکم رکھتے ہیں۔ (یعنی اغیار کے مقابلہ میں انہیں ایک ہو جانا چاہیئے) یاد رکھو کہ مسلمان کافر کے بدلے نہ مارا جائے اور عہد والا اپنے عہد میں نہ مارا جائے (یعنی عہد شکنی نہ کی جائے)

اس کو احمدؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کر دیا کہ تمام مسلمانوں کے خون مساوی ہیں۔ پس عربی کو عجمی پر، قریشی یا ہاشمی کو غیر قریشی اور غیر ہاشمی پر، اور اصلی حُر کو آزاد شدہ غلام پر، عالم کو ناخواندہ پر اور امیر کو مامور پر فضیلت و برتری نہیں اور یہ حقیقت تمام مسلمانوں میں متفق علیہ ہے بخلاف اُس رواج کے جو اہلِ جاہلیت اور حکّام یہود میں رائج تھا۔ یہود مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی بود و باش رکھتے تھے۔ ان کے دو مشہور قبیلے تھے۔ بنو قُریظہ اور بنو نُضیر۔ خونوں کے بارہ میں قریظہ پر نضیر کو فضیلت حاصل تھی۔ ہجرت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں حاکمانہ حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اس لیے یہود بھی فصل خصومات کے لئے آپ ہی کی طرف رجوع کرنے لگے تھے۔

یہود آستانِ نبوّت میں

ایک مرتبہ وہ زانی کی حدّ کے متعلق بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے مُحصن زانی کی حدّ (یعنی شرعی سزا) حکم تورات کے بموجب سنگسار تھی لیکن علمائے یہود نے حکم تورات کو بدل کر منہ کالا کرنے کی سزا از خود تجویز کر رکھی تھی۔ آستانِ نبوّت میں حاضر ہونے سے پہلے یہود آپس میں کہنے لگے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منہ کالا کرنے کا فیصلہ کیا تو ہمارے لئے زبردست دلیل ہو جائیگی ورنہ ہم تو حکمِ تورات سے بھی

دست بردار ہو چکے ہیں۔ پس اللہ تعالےٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:۔

اے رسول! جو لوگ کفر پر لپکتے ہیں، اُن کی وجہ سے تم ملولِ خاطر نہ ہو (یہ دو قسم کے لوگ ہیں) بعض تو ایسے منافق ہیں جو اپنے منہ سے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل ہرگز ایمان نہیں لائے اور وہ جو یہودی ہیں وُہ جھوٹ بولنے کے لئے ٹوہ میں لگے رہتے ہیں اور ٹوہ بھی لگاتے ہیں تو دوسروں کے لئے جو ہنوز تمہارے پاس تک نہیں آئے۔ یہ لوگ (احکامِ تورات مثلاً حکم رجم کے) الفاظ کو ان کے ٹھکانے (یعنی معنیٰ متعین) سے بے اسلوب کر دیتے ہیں اور (آپس میں) کہتے ہیں کہ اگر (محمدؐ کی طرف سے) تم کو یہی حکم دیا گیا تو اس کو تسلیم کر لینا ورنہ اس سے حذر کرنا۔ اور اے نبی! جس کو خدا کجروی کی بلا میں مبتلا رکھنا چاہے تو اس کے لئے خدا پر تمہارا کچھ بھی زور نہیں چل سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو خدا اُسے برتر (عصیاں کی گندگی سے) پاک کرنا نہیں چاہتا۔ ان لوگوں کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑا سخت عذاب ہے۔ یہ لوگ جو جھوٹی جھوٹی باتوں کی کن سوئیاں لیتے پھرتے ہیں، بڑے حرام خور ہیں۔ سو اگر یہ لوگ (اپنی نزاعات کا فیصلہ کرانے کے لئے) تمہارے پاس آئیں تو تم کو اختیار ہے کہ ان میں فیصلہ کر دو یا (ان کے معاملہ میں دخل دینے سے) کنارہ کش رہو۔ ایسی حالت میں تمہیں کسی طرح کا بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر فیصلہ کرو تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور یہ لوگ ایسی حالت

میں اپنے جھگڑے فیصل کرانے کو تمہارے پاس کیوں آئے ہیں جبکہ خود ان کے پاس تورات موجود ہے اور اس میں حکم خدا مندرج ہے۔ یہ لوگ اس کے بعد بھی حکم خدا سے روگردانی کرتے ہیں لیکن ان کو سرے سے اس پر ایمان ہی نہیں۔ بیشک ہم ہی نے تورات نازل کی جس میں ہر طرح کی ہدایت اور نور ہے۔ انبیاء (بنی اسرائیل) جو خدا کے فرمانبردار بندے تھے یہود کو اسی کے مطابق حکم دیتے آئے ہیں اور ربّی (یعنی مشائخ) اور علماء بھی کیونکہ وُہ اللہ کی کتاب کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وہ برابر اس کی محافظت کرتے رہے۔ سو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو اور (اے یہودیو) ہماری آیتوں کے معاوضہ میں دنیا کے حقیر و ناچیز فائدے حاصل نہ کرو اور جو کوئی خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کے مطابق حکم نہ دے۔ تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں اور ہم نے تورات میں یہود کو حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ ویسے ہی زخم ہیں (۵: ۴۱-۴۵)

مساواتِ اسلامی

پس حق سبحانہ نے جانوں میں مساوات کر دیا اور کسی جان کو دوسری پر فضیلت نہ دی جیسا کہ عہدِ جاہلیت میں معمول تھا۔ رب العالمین جلّ ذکرہٗ فرماتا ہے:۔ "اور جو خدا کے نازل کئے ہوئے حکموں کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ نافرمان ہیں اور

اے پیغمبر! ہم نے تمہاری طرف آواز برحق اُتاری کہ جو کتابیں پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ اُن کی تصدیق کرتی اور ان سب پر مشتمل ہے۔ تو جو کچھ خدا نے تم پر اُتارا ہے، تم بھی اسی کے مطابق ان لوگوں کا فیصلہ کرو اور جو حق بات تم کو خدا سے پہنچی ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ ہم نے (اپنے اپنے وقت میں) تم میں سے ہر ایک کو ایک دستور العمل دیا اور راستہ بنایا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک دین پر جمع کر دیتا۔ لیکن جو احکام (تمہاری حالت اور زمانے کے موافق مختلف اوقات میں) تم کو عطا کئے ان میں وقتاً فوقتاً تم کو آزمانا مقصود تھا تو موجودہ اسلامی شریعت کے مطابق نیک کاموں کی طرف سبقت کرو۔ تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو جن جن امور میں تم کو اختلاف تھا قیامت کے دن خدا تم کو ان پر متنبہ کرے گا۔ اے پیغمبر! جو کتاب خدا نے تم پر نازل کی ہے اس کے مطابق ان لوگوں میں فیصلہ کرو اور ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جاؤ۔ اور ان (کی فریبکاریوں) سے بچتے رہو۔ مبادا تم کو اللہ کے نازل کئے ہوئے کسی حکم سے بہکا دیں۔ پھر اگر یہ لوگ تمہارا کہا نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ کو یہی منظور ہے کہ ان کے بعضے گناہوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت نازل کرے۔ اور بلاشبہ بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔ کیا اس وقت یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں، اور جو لوگ یقین کرنے والے ہیں۔ ان کے لئے اللہ سے بہتر حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے (۵ : ۴۸ - ۵۰) غرض اللہ تعالےٰ نے حکم دیا کہ تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔

مقتول کے ورثاء کو معاف کرنے کی تلقین

جب کوئی شخص قتل ہو جائے تو کوشش کرنی چاہیئے کہ مقتول کے وارث اسے معاف کر دیں کیونکہ ان کے لئے یہی افضل ہے۔ چنانچہ خدائے غفور فرماتا ہے۔ اور زخموں کا بدلہ ویسے ہی زخم ہیں، پس جو (مظلوم) معاف کر دے تو یہ اس کے (گناہوں کا کفارہ ہو جائیگا (۵: ۴۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی قصاص طلب قضیہ ایسا نہیں پہنچا جس میں آپ نے معاف کرنے کی ترغیب دی ہو۔ اس کو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا اور مسلم نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ مال میں کوئی کمی نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے کی عزت میں ترقی و افزائش بخشتا ہے اور جس شخص نے اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی کیلئے تواضع کا شیوہ اختیار کیا اللہ تعالےٰ نے اس کا درجہ بلند کر دیا۔

اوپر ہم نے جو مساوات کا ذکر کیا ہے تو ایک آزاد مسلمان کی دوسرے آزاد مسلمان سے برابری سے متعلق ہے۔ اور ذمّی یعنی مسلمانوں کو غیر مسلم رعایا کے افراد جمہور علماء کے نزدیک مسلمانوں کے کفو (ہمسر) نہیں ہیں جیسے کہ وہ مستامن (امن خواہ) جو بلاد کفار سے پیامبر یا تاجر کی حیثیت سے دار الاسلام میں آیا ہو وہ کسی مسلمان کا کفو نہیں ہو سکتا البتہ بعض علماء کے نزدیک ذمی مسلمان کا کفو (ہمسر) ہے۔ اسی طرح علمائے اسلام میں یہ بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ آزاد غلام کے بدلے قتل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

قتل کی تین قسمیں

دوسری قسم وہ خطا ہے جو عمد کے مشابہ ہے۔ یاد رہے کہ جمہور علماء کے نزدیک قتل تین طرح پر ہے۔ عمد، شبہ عمد اور خطا عمد یہ ہے کہ کسی کو قتل کی نیت سے کسی ہتھیار یا پتھر یا لکڑی وغیرہ سے مارے جس سے انسان عام طور پر ہلاک ہو جاتا ہے اور شبہ عمد بہ نیت قتل کسی ایسی چیز سے ہلاک کرنے کو کہتے ہیں جس سے آدمی عادتاً نہیں مرا کرتا۔ جیسے چھڑی کوڑا وغیرہ۔ قتل عمد کی سزا قصاص ہے اور شبہ عمد میں دیت مغلظہ ہے یعنی سو اونٹ جن میں چالیس اونٹنیاں حاملہ ہوں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبہ عمد جو کوڑے اور عصا کے ساتھ ہو سو اونٹ ہیں جن میں چالیس ایسی اونٹنیاں ہوں جن کے شکموں میں بچے ہوں۔ اس کو ابوداؤد اور نسائی وغیرہما نے روایت کیا ہے اس کو شبہ عمد اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے فریق مقابل پر از راہ خیانت ظلم وستم کا قصد کیا۔ لیکن ایسے فعل سے جس سے انسان غالباً مرتا نہیں۔

تیسری قسم خطاء محض یا جو اس کی قائم مقام ہو مثلاً کسی شکار پر تیر چلایا اور وہ لاعلمی میں اور بلا قصد کسی انسان کے جا لگا۔ اس صورت میں تیر چلانے والا مقتول کے وارثوں کے حوالے نہیں کیا جائیگا بلکہ اس میں خونبہا اور کفارہ ہو گا۔ اس موقع پر بہت سے مسائل ہیں جو اہل علم کی کتابوں میں مسطور ہیں۔

زخموں کا قصاص

زخموں کا قصاص بھی کتاب وسنّت اور اجماع سے ثابت ہے بشرطیکہ مساوات پایا جائے۔ پس جب کوئی شخص کسی کا داہنا ہاتھ جوڑ سے قطع کر دے تو دوسرے کے لئے جائز ہے کہ پہلے کا ہاتھ اسی طرح قطع کرے۔ جب دانت نکالے تو دوسرا بھی اس کا دانت نکالنے کا مجاز ہے اور جب چہرے کو زخمی کیا یا سر پھوڑا اور اس زخم سے ہڈی ظاہر ہو گئی تو دوسرے کے لئے بھی جائز ہے کہ اس سے یہی سلوک کرے۔ لیکن جب مساوات نہ ہو مثلاً باطنی ہڈی توڑ دے یا کسی دوسری جگہ کو ماؤف کر دے تو قصاص مشروع نہیں بلکہ دیت واجب ہے، جو محدود ہے اور اگر ہاتھ سے، یا عصا سے یا کوڑے سے زخمی کیا یا طمانچہ مارا یا گھونسا رسید کیا۔ اس قسم کی صورتوں میں علماء کی ایک جماعت کے نزدیک قصاص نہیں بلکہ تعزیر ہے کیونکہ اس میں مساوات ممکن نہیں یا خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ اور تابعین سے منقول ہے کہ اس میں قصاص مشروع ہے۔ احمدؒ وغیرہ فقہا سے یہی نص ہے اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی کی مؤید ہے اور یہی صحیح ہے۔

ابو فراس کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا کہ واللہ! میں اس لئے عمّال کو تمہارے پاس نہیں بھیجتا کہ تمہیں زدوکوب کریں یا تمہارا مال چھینیں بلکہ اس لئے بھیجتا ہوں کہ تمہیں تمہارا دین اور

سنت سکھائیں، پس جس عامل نے اس کے سوا کوئی اور روش اختیار کی، اس کو میرے پاس لے آؤ۔ مجھے اسی خدائے برتر کی قسم کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میں اس سے اس کے افعال کی باز پرس کرونگا۔"

یہ سن کر حضرت عمرو بن عاص رضؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا امیر المومنین! اگر کوئی حاکم مسلمانوں کو ادب سلیقہ سکھائے تو آپ اس سے بھی محاسبہ کریں گے۔ فرمایا ہاں اس وقت بھی حساب لونگا۔ کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے نفس سے بھی محاسبہ لیا کرتے تھے۔ خبردار! مسلمانوں کو نہ مارو اور ان کو ذلیل نہ کرو اور ان کے حقوق نہ روکو ورنہ ان کو ناشکر گزار بنا دوگے۔ اس کو احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ لیکن یہ انتباہ اس صورت میں ہے کہ جب والی اپنی رعیت کو ناجائز طریق پر زدوکوب کرے۔ لیکن اگر زدوکوب مشروع ہو تو اس پر بالاجماع قصاص نہیں ہے۔

لعنت، گالی یا بددعا کا قصاص

اعراض میں بھی قصاص مشروع ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت یا بددعا کرے تو اس کے لئے بھی ایسا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح دوسرے کی گالی کے جواب میں ایسی گالی دینا بھی جائز ہے جس میں جھوٹ نہ ہو لیکن افضل یہ ہے کہ معاف کر دیا جائے۔ چنانچہ رب قدیر فرماتا ہے۔ "برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ اس پر

بھی جو کوئی معاف کر دے اور صلح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمّے ہے۔ بیشک وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں کسی پر ظلم ہوا ہو اور وہ اس کے بعد بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں (۴۲: ۴۰-۴۱)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو آدمی ایک دوسرے کو گالیاں دیں تو ان گالیوں کا وبال اُس شخص پر ہے جس نے گالیاں دینے میں پہل کی۔ جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے اور یہ گالی جس میں جھوٹ نہ ہو کسی کی طرف سے بُری باتیں پہنچانے کی مانند ہے یا کسی کو کتّا یا گدھا کہنے اور اس قسم کی دوسری باتو کے مشابہ۔

یاد رہے کہ کسی پر افترا پردازی کرنا حلال نہیں کسی کو ناحق کافر یا فاسق کہنا حلال نہیں کسی کے باپ یا قبیلے یا اہل شہر پر لعنت کرنا یا اس قسم کی کوئی اور زیادتی کرنا حلال نہیں خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ ان لوگوں نے قائل پر ظلم نہ کیا ہو۔ رب قدیر فرماتا ہے۔ اے مومنو! خدا کے لئے انصاف کے ساتھ شہادت دینے کو آمادہ رہو اور کسی قوم کی عداوت تم کو اس جرم کے ارتکاب کی باعث نہ ہو کہ انصاف نہ کرو۔ نہیں (ہر حال میں) انصاف کرو کیونکہ یہ شیوہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے (۵: ۸) پس اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ کافروں کا بغض انہیں بے انصافی پر مائل نہ کرے۔

اگر اعراض میں زیادتی کی گئی ہو جو اس کے حق میں حرام ہو تو قائل سے اسی

قسم کا قصاص لینا جائز ہے۔ مثلاً بد دعا کے عوض میں بد دعا اور اگر حق رسی میں گناہ لازم آتا ہو جیسے کذب بیانی تو کسی حالت میں قصاص جائز نہیں۔ بہت سے فقہا نے ایسا ہی فرمایا ہے جب کسی نے دوسرے کو آگ میں جلا کر یا غرق کر کے گلا گھونٹ کر یا اسی طرح کسی اور طریق پر ہلاک کیا ہو تو قاتل کو بھی اسی طرح قتل کرنا جائز ہے اور اگر وہ فعل فی نفسہٖ حرام ہو جیسے شراب پلانا، اغلام کرنا وغیرہ تو جائز نہیں اور بعض فقہا کا قول ہے کہ ہر حالت میں تلوار ہی سے کام لیا جائے۔ لیکن پہلا قول کتاب و سنّت سے زیادہ مطابق اور عدل سے زیادہ قریب ہے۔

حدّ قذف یعنی افترا پردازی کی سزا

قذف یعنی بہتان لگانے کی حدّ کتاب و سنت اور اجماعِ اُمّت سے ثابت ہے۔ خدائے برتر فرماتا ہے "اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور (اپنے بیان پر) چار گواہ نہ لا سکیں تو ان کے اسّی کوڑے لگاؤ اور (آئندہ کے لئے) اُن کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور یہ تہمت لگانے والے خود فاسق ہیں مگر جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنا چلن درست کر لیا تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۲۴: ۴-۵)

پس جب کسی آزاد نے محصن کو زنا یا اغلام کی تہمت لگائی تو اس پر حدّ قذف یعنی اسّی کوڑے کی سزا لازم ہے اور اگر ان دو الزاموں کے سوا کوئی اور بہتان تراشا تو اُسے تعزیراً سزا دی جائیگی۔ قذف کی یہ وُہ حدّ شرعی ہے جس کا مقذوف حق رکھتا

ہے پس یہ حدّ اُس وقت تک جاری نہیں ہو گی جب تک مقذوف (یعنی وہ شخص جس پر بہتان تراشی کی گئی ہو) اس کا مطالبہ نہ کرے۔ اس پر سارے فقہائے کرام متفق ہیں اگر مقذوف نے مجرم کو معاف کر دیا تو جمہور علماء کے نزدیک حدّ ساقط ہو جائیگی۔ کیونکہ اس کا طلب کرنا قصاص اور اموال کی طرح آدمی کا حق ہے۔

اور بعض علماء کے نزدیک مقذوف اس کا مالک نہیں بلکہ اس میں اللہ تعالےٰ کا حق غالب ہے۔ اس لئے دوسری شرعی حدّوں کی طرح حدّ قذف بھی ساقط نہیں ہوتی اور حدّ قذف اُس وقت واجب ہوتی ہے۔ جب مقذوف محصن، مسلمان، آزاد اور عفیف یعنی عفت مآب ہو۔ لیکن اگر وہ فجور میں مشہور ہو تو قاذف پر کوئی حد نہیں۔ اسی طرح کافر اور غلام پر تہمت لگانے والے کے لئے بھی کوئی شرعی حدّ مقرر نہیں البتہ تعزیر ہے۔ جب کسی کی بیوی زنا کرے اور اس زنا سے حاملہ نہ ہو تو شوہر کے لئے الزام لگانا جائز ہے اور اگر حاملہ ہو کر بچہ جنے تو مرد کو چاہیئے کہ اس پر زنا کا الزام لگائے اور مولود کے اپنی اولاد ہونے سے انکار کرے تاکہ جو اس کا نہیں وہ اس سے ملحق نہ ہو۔ جب شوہر نے الزام لگایا اور عورت نے زنا کا اقرار کر لیا تو اس صورت میں باہم ملاعنہ کرینگے جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے اور جو سنّت سے بھی ثابت ہے اور اگر قاذف یعنی تہمت لگانے والا غلام ہو تو اس کو آزاد سے نصف حدّ لگے گی۔ اسی طرح غلام کو زنا اور شراب خواری پر بھی نصف تعداد میں کوڑے لگائے جائیں گے۔ چنانچہ رب العزّت نے اپنی کتاب میں لونڈیوں کی نسبت فرمایا ہے کہ اگر وہ فحش کاری

کا ارتکاب کریں تو ان پر محصنہ عورتوں سے نصف عذاب لازم آتا ہے۔ لیکن اگر ان کا قتل یا قطع کرنا واجب ہو تو اس صورت میں نصف سزا دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

حقوق الزوجین

شوہر اور بیوی دونوں پر واجب ہے کہ بخوشی خاطر اور انشراح صدر سے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ شوہر پر بیوی کے جو حقوق ہیں ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ وہ عورت کو نہایت خوش اسلوبی سے نان نفقہ دے اور اس کا مہر ادا کرے دوسرا حق اس کے بدن میں ہے اور وہ عشرت اور تمتع ہے یہاں تک کہ اگر مرد اس سے اعراض اور روگردانی کرے تو وہ باجماع المسلمین فرقت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ اگر مرد قید یا غائب ہو جس کی وجہ سے وہ بیوی سے ملاقات نہیں کر سکتا تو عورت کو فرقت کا حق پہنچتا ہے اور بیوی سے جنسی اختلاط کرنا اکثر علما کے نزدیک واجب ہے اور بعض کے نزدیک واجب نہیں بلکہ مرد کے لئے محرکِ طبیعی (یعنی رجحانِ طبع) پر اکتفا کرنا کافی ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ واجب ہے، جیسا کہ اس پر کتاب و سنّت اور اصول دلالت کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عبداللہ بن عمرو کو دیکھا کہ کثرت سے روزے رکھتے اور نفلی نماز پڑھتے ہیں تو فرمایا کہ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔

بعض علما نے لکھا ہے کہ ہر چار مہینے کے بعد ایک مرتبہ بیوی سے جنسی اختلاط

کرنا واجب ہے، اور بعض کا یہ قول ہے کہ مجامعت مرد کی قوت اور عورت کی حاجت کے مطابق اسی طرح واجب ہے جس طرح نان و نفقہ خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ عورت کے ذمے ایک حق یہ ہے کہ جب مرد چاہے اس کو اس وقت تک متمتع ہونے دے جب تک اس کو زد و کوب نہ کرے یا فرائض و واجبات سے روک کر اپنے پاس نہ بلائے۔ پس عورت پر واجب ہے کہ شوہر کو اپنے اوپر قابو دے۔

مرد کا ایک حق عورت پر یہ ہے کہ شوہر یا شارع علیہ السلام کی اجازت کے بغیر مرد کے گھر سے نہ نکلے اور اس بارہ میں فقہائے کرام مختلف البیان ہیں کہ گھر کی خدمت جیسے فرش فروش، کھانا پکانا، جھاڑو اور اس قسم کے دوسرے خانگی امور کی انجام دہی عورت کے ذمے ہے یا نہیں؟ کہا گیا ہے کہ یہ کام عورت کے ذمے واجب العمل ہیں اور بعضوں نے کہا کہ واجب نہیں اور بعض فقہا کے نزدیک تھوڑا سا کام کاج واجب ہے۔

حقوق العباد کی طرف سے عہدہ برآ ہونا

واجب ہے کہ اہلِ حقوق کے اموال کا اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے بموجب عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے جیسے ترکہ کتاب و سنت کے احکام کے مطابق انصاف کے ساتھ تقسیم کیا جائے۔ اسی طرح بیع، اجارہ، وکالت، مشارکت، ہبہ، وقف، وصیت وغیرہ قسم کے تمام معاملات میں انتہائی عدل سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ ان میں عدل کرنا دین و دنیا کے قوام کا باعث ہے، اس کے بغیر دنیا اور آخرت کی اصلاح نہیں ہو سکتی

عدل ہیں بعض امور ایسے ظاہر و باطن ہیں جن کو ہر شخص اپنی عقل سے بھانپ لیتا ہے جیسے مشتری یعنی خریدار کی طرف سے مال کی قیمت ادا کرنے کا وجوب اور خریدہ کردہ مال کا خریدار کے حوالے کرنا، ناپ اور تول کم کرنے کی حرمت، سچ بولنے کا وجوب، جھوٹ، خیانت اور فریب کاری کی حرمت، شریعت غرائے سود اور قمار بازی اور ان دونوں کی تمام قسموں کو حرام ٹھہرایا ہے غرض مومن کو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں سے عہدہ برآ ہونے کا بہت زیادہ اہتمام رکھنا چاہیئے۔

حاکم کو ارباب حل و عقد کیساتھ مشورہ کرنے کی ضرورت

ولی الامر یعنی مسلمان حاکم کو ارباب حل و عقد کے ساتھ مشورہ کرنے کی بھی ضرورت ہے اور وہ اس سے کبھی مستغنی نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کا حکم دیا چنانچہ فرمایا: "پس ان کے قصور معاف کرو اور ان کے لیئے استغفار کرو اور ان کو شریک مشورہ کر لیا کرو (۳: ۱۵۹) حضرت ابو ہریرہ رضؓ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس کثرت سے اپنے صحابہؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ کوئی دوسرا شخص کسی سے اس درجہ صلاح مشورہ نہ کرتا ہوگا۔ اور بعض علماء کا بیان ہے کہ خدائے رحیم و ودود نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی تالیف قلوب کے لئے اور اس غرض سے مشاورت کا حکم دیا تھا کہ بعد کے مسلمان اس طریق پر عمل پیرا رہیں۔

ضرورت ہے کہ حربی ضروریات اور امور جزئیہ وغیرہ جن معاملات میں وحی الٰہی نے ہماری کوئی رہنمائی نہیں کی ان میں باہم مشورہ کر کے استخراج و استنباط کر لیا کریں اور باہمی مشاورت کی اہمیت اس سے

سے ظاہر ہے کہ خدائے عزیز و برتر نے اس پر اہلِ ایمان کی تعریف و توصیف کی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ اور جو (اجر) اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ اس سے کہیں بہتر اور پائیدار ہے مگر ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں اور جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جب ان کو غصہ آجاتا ہے تو (لوگوں کی خطاؤں سے) درگزر کرتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کا حکم مانتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ان کے سارے کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں اور ہم نے جو ان کو دے رکھا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں (۴۲: ۳۶-۳۸)

جب ولی الامر یعنی حاکمِ وقت نے اہلِ شوریٰ سے مشورہ کیا تو اگر شرکا میں سے کسی نے وہ امر ظاہر کر دیا جس کا اتباع کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ یا اجماعِ اُمت سے واجب ہے تو حاکم پر اس کی پیروی لازم ہے اور اس کے خلاف کسی متنفس کی اطاعت جائز نہیں، چنانچہ رب قدیر فرماتا ہے اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولو الامر (صاحبِ حکومت) کی فرمانبرداری کرو جو تم میں سے (یعنی مسلمان) ہو (۴: ۵۹)

اگر کوئی ایسا معاملہ ہو جس میں مسلمان باہم منازعت کر رہے ہوں تو چاہیئے کہ اہلِ شوریٰ میں سے ہر ایک اپنی رائے کا استخراج و استنباط کرے اور اپنی رائے کی وجہ و علت بھی ظاہر کر دے۔ ان آرا میں سے جو رائے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے زیادہ ملتی جلتی ہو گی صاحبِ حکومت اس پر عمل کرے۔ چنانچہ خدائے حکیم و برتر نے فرمایا ہے اگر کسی امر میں تمہاری (اور تمہارے حاکم کی) باہم منازعت ہو جائے تو اللہ اور یوم آخرت

پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ اس نزاع میں اللہ اور رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی یہی طریقہ احسن ہے (۴: ۵۹)

اولوا الامر دو ہیں۔ صاحبانِ حکومت اور فقہاء

اولوا الامر دو ہیں، صاحبانِ حکومت اور فقہاء، یہی وہ دو طبقے ہیں کہ جب درست رہیں تو عملدار کے تمام کل پرزے درست رہتے ہیں اور رعایا سکھ کی نیند سوتی ہے۔ اس لئے ان دونوں طبقوں کا فرض ہے کہ اپنے ہر قول اور ہر فعل میں اللہ اور اس کے رسول کی طاعت کا پورا اہتمام کریں۔ حوادثِ مشکلہ میں جس حد تک کتاب و سنت کا منشا معلوم کرنا ممکن ہو۔ وہاں تک ان پر عمل پیرا ہونا واجب ہے اور اگر وقت کی تنگی یا کسی اور مجبوری سے کتاب و سنت کی براہ راست روشنی میسر نہ ہو تو اولوا الامر کو اُس مجتہد کی تقلید کرنی چاہیے جس کا علم اور دین پسندیدہ اور مسلّم ہو۔ تمام اقوال میں یہ قول سب سے زیادہ قوی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اولی الامر پر کسی حالت میں تقلید لازم نہیں تیسرا بیان یہ ہے کہ اسے ہر حال میں تقلید کرنی چاہیے۔ یہ تینوں اقوال امام احمدؒ وغیرہ کے مذہب میں ہیں۔

بحالتِ مجبوری تیمّم کر کے اور بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت

اسی طرح قاضیوں اور والیوں کے لئے جو جو شرطیں کتابوں میں مذکور ہیں ان پر عمل پیرا ہونا واجب ہے بلکہ عبادات میں سے نماز اور جہاد وغیرہ کی تمام شرطوں کی پیروی بھی

تا حدِ قدرت و امکان واجب ہے، اور عجز کی صورت میں خدائے قدوس نے کسی شخص کو اس کی قدرت و وسعت سے زیادہ مکلّف نہیں بنایا۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے نمازی کو حکم دیا کہ پانی سے طہارت حاصل کرے اور اگر پانی میسّر نہ ہو یا پانی کے استعمال سے کوئی ضرر یقینی ہو یا بیماری کے بڑھ جانے کا خوف ہو یا اسی قسم کی کوئی اور مجبوری ہو تو پاک مٹی سے تیمّم کرے۔ اسی طرح سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ کھڑے ہو کر پڑھا کرو۔ اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو پہلو پر لیٹے ہوئے پڑھ لو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر ممکن صورت میں فعلِ نماز کو اس کے معین وقت میں واجب کیا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: "تمام نمازوں کا (عموماً) اور بیچ کی نماز کا (خصوصاً) تقیّد رکھو اور (نماز میں) اللہ تعالیٰ کے حضور میں ادب سے کھڑے رہو۔ پھر اگر تم کو دشمن کا خوف ہو (اور ارکانِ نماز کا پوری طرح بجا لانا محال ہو) تو پیدل یا سوار جس حالت میں ہو (اور جس طرح بن پڑے نماز ادا کر لو) پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو جس طرح اللہ نے تم کو (اپنے رسول کی وساطت سے نماز پڑھنے کا طریقہ) سکھایا ہے اور جس کو تم پہلے نہیں جانتے تھے اسی طریقہ سے اللہ کی یاد کرو (۲: ۲۳۸ - ۲۳۹)

پس ہمارے معبودِ حق نے صاحبِ امن، خائف، تندرست، مریض، متمول، غریب، مقیم اور مسافر سب پر نماز فرض کر دی۔ البتہ مسافر، خوف زدہ اور مریض کے حق میں نماز میں تخفیف فرما دی جیسا کہ کتاب و سنّت میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ اسی طرح نماز میں طہارت، ستر پوشی اور استقبالِ قبلہ فرض کیا اور ان امور میں سے جس کام کی انجام دہی سے بندہ عاجز

ہو اس کو ساقط کر دیا۔ پس اگر بالفرض جہاز یا کشتی کے تباہ ہو جانے سے جسم پر کپڑے نہ رہ جائیں یا لڑائی میں دشمن کپڑے چھین کر عریاں کر دے تو اپنے احوال و مقتضیات کے بموجب ننگے ہی پڑھ لیں لیکن امام مقتدیوں کے ساتھ اسی صف کے اندر درمیان میں کھڑا ہو تا کہ مقتدی حالتِ نماز میں امام کی برہنگی نہ دیکھیں۔

اگر جہتِ قبلہ مشتبہ ہو جائے

اگر ادائے نماز کے وقت جہتِ قبلہ مشتبہ ہو جائے تو غور و فکر اور جانچ پڑتال کرو۔ کعبہ کا رُخ معلوم کریں اور اس تجویز کے مطابق اُس طرف منہ کر کے نماز پڑھیں اور اگر تمام دلائل خاموش ہوں کسی جانب کو وجہِ ترجیح حاصل نہ ہو تو جس طرف ممکن ہو اسی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں جیسا کہ مروی ہے کہ عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی کیا تھا۔ اطراف و جہات، ولایات اور دین کے تمام امور کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی ذیل میں ہیں کہ "اللہ سے اتنا ڈرو جتنا تم سے ہو سکے۔" اور اس ارشاد نبوی کے ماتحت آتا ہے کہ جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اس کی تعمیل کرو۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے حق تعالیٰ نے اپنے مطاعمِ خبیثہ کو حرام کیا تو فرمایا کہ جو مضطر ہو جائے اور عدول حکمی کرنے والا (یعنی اضطرار اور خطرۂ ہلاکت کے بغیر کھانے والا) اور حد سے تجاوز کرنے والا (یعنی اس سے زیادہ کھانے والا کہ جس سے جان بچ رہے)

نہ ہو تو اُس پر (ان حرام چیزوں میں سے کسی چیز کے بقدر سدِّ رمق کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں"
اور ربِّ جلیل نے فرمایا "اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرنا نہیں چاہتا (۵: ۶) اور دوسری جگہ فرمایا
اور اللہ تعالے نے دین کے بارے میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی (۲۲: ۷۸) غرض
خدائے ودود نے کوئی ایسا کام فرض واجب نہیں کیا جو انسان کی طاقت سے باہر ہو
اور کوئی ایسا کام حرام نہیں کیا جس کے کرنے پر انسان مضطر ہو سوائے اُس صورت کے کہ
بندے کی طرف سے ضرورت بغیر معصیت کے پوری کی جائے۔

مسلمانوں کو والی حکومت کی ضرورت

یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ امورِ رعایا کا والی و نگران ہونا واجبات دین میں سب سے بڑا واجب
ہے بلکہ نہ تو دین کا قیام و بقا اس کے بغیر ممکن ہے اور نہ دنیا کا۔ چونکہ انسانوں کو اپنی حاجات
میں ایک دوسرے سے سابقہ پڑتا ہے اور اجتماع کے بغیر بنی آدم اپنی حاجتیں اور مصلحتیں
پوری نہیں کر سکتا اس لئے ضروری ہے کہ اجتماع کی حالت میں ان پر کوئی حاکم و آمر ہو
یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تین آدمی بھی سفر کو نکلیں تو ان کو چاہیے
کہ اپنے میں سے ایک کو اپنا امیر بنا لیں۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے ابوسعید خدری اور ابوہریرہ
رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو
سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تین آدمی بھی کسی بے آب وگیاہ
بیابان میں سفر کریں تو ان کیلئے حلال نہیں کہ اپنے میں سے ایک کو اپنا امیر (یعنی سردار) نہ بنا لیں۔

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت قلیل کے لئے بھی جو سفر میں عارض ہوئی ایک کو امیر بنانا واجب کر دیا۔ اس ارشادِ نبوی میں یہ انتباہ و تعلیم ہے کہ اجتہاد اور جد وجہد کی تمام صورتوں میں بھی طریق عمل اختیار کرنا چاہیے۔ اس وجوب کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے امر معروف اور نہی منکر یعنی تبلیغ کو واجب کر دیا ہے اور امر معروف نہی منکر کا فریضہ قوت اور امارت کے بغیر انجام نہیں پا سکتا اسی طرح جہاد، عدل و انصاف، اقامتِ حج، جمعہ، عیدین، مظلوم کی امداد، اقامتِ حدود اور بہت سے دوسرے فرائض و واجبات بھی قوت و امارت کے بغیر صورت پذیر نہیں ہو سکتے۔ اسی حیثیت سے مروی ہے کہ سلطان زمین پر ظل اللہ ہے اور مشہور ہے کہ ظالم امام کے ماتحت ساٹھ سال گزارنا سلطان کے بغیر ایک رات رہنے سے اچھا ہے اور تجربوں نے اس مقولہ کو صحیح ثابت کر دیا ہے۔

سلطان کیلئے دعاگو رہنا

اسی بنا پر سلف صالحین مثلاً فضیل بن عیاض، احمد بن حنبل وغیرہما نے فرمایا ہے کہ اگر ہمارے پاس کوئی مقبول دعا ہو تو ہم اُس کو سلطان کے لئے استعمال کریں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تین کاموں سے خوش ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ دوسرے یہ کہ سلسلۂ الٰہی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑ لو اور متفرق نہ ہو۔ تیسرے اُس (مسلمان) فرمانروا کے ہمدرد اور خیرخواہ رہو جس کو اللہ تعالیٰ تمہارا معاملہ سپرد کر دے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ تین عمل ایسے ہیں جن سے مومن کا دل سیراب نہیں ہوتا

خالص اللہ تعالیٰ کیلئے عمل کرنا، والیانِ حکومت کے خیر خواہ رہنا اور مسلمانوں کی جماعت سے وابستہ رہنا کیونکہ مسلمانوں کی دعا ان لوگوں کو بھی محیط ہے جو ان کے پیچھے ہوں اس کو اہلِ سنن نے روایت کیا اور صحیح حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے صحابہ نے التماس کی یا رسول اللہ! کس کی خیر خواہی؟ فرمایا اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، ائمہ مسلمین (یعنی مسلمان حکمرانوں) کی اور عامۃ المسلمین کی۔

مال کی بیجا حرص اور دینی برتری کی خواہش کا فتنہ

علما نے فرمایا ہے کہ اسلامی امارت و حکومت کا قیام دینی حیثیت سے واجب ہے۔ اس سے خود حاکم کو بھی تقرب الی اللہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ تقرب جس میں حق تعالیٰ کی اور اس کے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت و فرمان پذیری ہو۔ تمام قربات سے افضل ہے مگر اس کے برعکس دیکھا جاتا ہے کہ ریاست یا مال کے حصول میں اکثر لوگوں کی حالت فاسد ہو جاتی ہے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیئے جو ریوڑ میں جا گھسیں وہ بکریوں کو اس قدر نقصان نہیں پہنچاتے جس قدر کہ مال کی بیجا حرص اور دین میں شرف و برتری کی خواہش آدمی کے دین کو فاسد کر دیتی ہے ترمذی نے کہا کہ "یہ حدیث حسن صحیح ہے" پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو متنبہ فرمایا ہے کہ مال و ریاست کی بیجا حرص آدمی کے دین کو اس سے بھی زیادہ مضرت رساں ہے جس قدر کہ دو بھوکے بھیڑیے ریوڑ کو تہس نہس کرتے ہیں۔

اور اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں اس شخص کے متعلق جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا فرمایا ہے کہ وہ اس وقت کہے گا کہ میرا مال میرے کچھ بھی کام نہ آیا، مجھ سے میری

بادشاہت لٹ گئی (۶۹ : ۲۹-۳۰) اور ریاست کا منتہائے مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص فرعون کا سا ذی اقتدار ہو جائے یا مال جمع کر کے قارون نہ مان بن جائے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی کتاب میں فرعون اور قارون کا انجام بتا دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:- "اور کیا ان لوگوں نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں ان کا کیسا انجام ہوا۔ وہ لوگ بلحاظ اپنی قوت کے اور باعتبار اُن نشانوں کے جو وہ زمین پر چھوڑ گئے ان سے کہیں فائق تھے۔ مگر خدا نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں دھر پکڑا اور ان کو کوئی بھی خدا کے غضب سے نہ بچا سکا (۴۰ : ۲۱) اور فرمایا "یہ آخرت کا گھر ہے جس (کی نعمتوں) کو ہم نے ان لوگوں کیلئے (مخصوص) کر رکھا ہے جو دنیا میں کسی طرح کی شیخی نہیں کرنا چاہتے اور نہ فساد چاہتے ہیں اور عاقبت (کی کامیابی) تو متقیوں کیلئے ہے (۲۸ : ۸۳)

نوع انسانی کی چہار گانہ تقسیم

پس انسان چار اصناف میں منقسم ہیں۔ پہلے وہ ہیں جو لوگوں کو مغلوب و مقہور رکھنا چاہتے ہیں اور خدا کی زمین پر فساد کی تخم ریزی کرتے ہیں حالانکہ یہ اللہ کی صریح نافرمانی ہے یہ طبقہ ملوک اور روسائے مفسدین پر مشتمل ہے جیسے فرعون اور اس کی جماعت، یہ لوگ مخلوق میں بدترین لوگ ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرعون کے متعلق فرمایا۔ ملک (مصر) میں فرعون بہت بڑھ چڑھ رہا تھا۔ اس نے وہاں کے لوگوں کو الگ الگ جتھوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ (یعنی بنی اسرائیل) کو اس نے یہاں تک کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرا دیتا اور ان کی عورتوں (یعنی بیٹیوں) کو زندہ رکھتا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مفسدوں میں سے تھا (۲۸ : ۴)

اور مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی بھر بھی کبر و غرور ہے

اور وہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہو گا جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہے ایک شخص نے التماس کی یا رسول اللہ! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرا لباس اچھا ہو اور میرا خچر اچھا ہو، کیا یہ جذبہ بھی کبر و پندار میں داخل ہے؟ فرمایا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اجمیل ہے۔ جمال اور نظافت کو پسند فرماتا ہے۔ کبر تو حق سے اعراض اور لوگوں کی تحقیر کرنے کا نام ہے اور یہ اس شخص کا خاصہ ہے جو دنیا میں بڑائی اور فساد کرنے کا مجرم ہو۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو علو اور بڑائی کے بغیر فساد کا قصد کرتے ہیں جیسے دزدی پیشہ اور ذلیل قسم کے جرائم پیشہ اور اس قسم کے دوسرے رذیل لوگ۔

تیسری قسم ان لوگوں پر مشتمل ہے جو فساد کے بغیر علو و برتری کے متمنی ہیں جیسے وہ دیندار جو دین کے ذریعہ سے لوگوں پر تفوق و برتری ڈھونڈتے ہیں۔

اور چوتھا طبقہ ان نیک نفس افراد کا ہے جنہیں اہل جنت کہتے ہیں۔ یہ حضرات دوسروں سے اعلیٰ و افضل ہونے کے باوجود بسیط ارض پر نہ بڑائی کے خواہاں ہیں اور نہ فساد پر مائل چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اور (دشمن کے مقابلہ میں) ہمت نہ ہارو اور (اگر کوئی تکلیف پہنچے تو) آزردہ خاطر نہ ہو۔ اور اگر تم سچے مومن ہو تو تمہارے لئے ہی سرفرازی اور تمہارا ہی بول بالا ہے (۳: ۱۳۹) اور فرمایا پست ہمت نہ بنو کہ (خود دشمن کو) صلح کی طرف بلانے لگو اور (یاد رکھو کہ انجام کار) تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے عملوں (کے اجر و ثواب) میں کسی طرح کی کمی نہیں کریگا (۴۷: ۳۵) اور فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں ہی کو عزت حاصل ہے۔"

تفوّق و برتری کی خواہش ابنائے جنس پر ظلم ہے

پس کتنے ہی لوگ ہیں جو بڑائی کے خواہشمند ہیں اور یہ خواہش اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی جب تک انسان کے جذبات و امیال کمینگی کی طرف مائل نہ ہو اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ نے عالی مرتبت لوگوں کے زمرہ میں داخل کیا ہے مگر اس کے باوجود وہ بڑائی اور فساد کا قصد نہیں کرتے حقیقت یہ ہے کہ لوگوں پر اپنی برتری اور تفوّق کی خواہش سراسر ظلم ہے کیونکہ تمام لوگ ہم جنس ہیں پس جو کوئی اس بات کا خواہشمند ہے کہ وہ لوگوں سے اعلیٰ و سربلند ہو اور دوسرے لوگ اس کے محتاج ہوں وہ ابنائے جنس کی تحقیر اور ان پر ظلم کرتا ہے علاوہ ازیں لوگ رعونت پسند شخص سے سرکشی کرتے ہیں اور اس سے عناد رکھتے ہیں کیونکہ لوگوں میں سے عادل وہ ہے جو ابنائے جنس کے سامنے مقہور اور درماندہ رہنے کا خوگر ہو اور غیر عادل وہ ہے جو خلق خدا کے حق میں جابر اور غالب بننا پسند کرے۔

لیکن با ایں ہمہ ایسے لوگوں کا وجود بھی ضروری ہے جو عقل اور دین میں دوسروں پر فائق و برتر ہوں کیونکہ جسم بغیر سر کے کبھی صلاحیت پذیر نہیں ہو سکتا۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے:۔ اور وہی (مالک الملک) ہے جس نے تم کو زمین میں (اپنا) نائب بنایا ہے (اور تمہیں دنیا کی چیزوں پر تسلط و اختیار بخشا ہے) اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت بخشی ہے تاکہ جو نعمتیں تم کو دی ہیں ان میں تمہاری (اطاعت و شکر گذاری کی) آزمائش کرے (۷: ۱۶۵) اور فرمایا اس دنیاوی زندگی میں تو ان کی روزی ان میں ہم تقسیم کرتے ہیں اور ہم نے (دنیاوی درجوں کے اعتبار سے) ان میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے تاکہ ان میں ایک کو ایک اپنا محکوم و مسخّر بنائے رکھے (۴۳: ۳۲)

پس شریعتِ حقّہ حکومت اور اموال فی سبیل اللہ کی پشتیبان ہے جب حکومت کا مقصد تقرّب الی اللہ اور اقامتِ دین ہو اور مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو اس میں دین و دنیا کی بہتری ہے۔

اور اگر سلطنت دین سے محروم ہو یا دین حکومت کی پشت پناہی سے عاری ہو تو لوگوں کے احوال فاسد ہو جاتے ہیں اور اہلِ طاعت اور اہلِ معصیت نیت اور عمل صالح ہی کی بدولت باہم ممیز ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری صورتوں اور شکلوں کو نہیں دیکھتا اور نہ تمہارے مالوں کا لحاظ کرتا ہے بلکہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے" لیکن اس ارشاد نبوی کے خلاف اکثر عمّال حکومت کی یہ حالت ہے کہ وہ جاہ و مال کی محبت میں حقیقت ایمان اور کمالِ دین سے محروم ہیں اور دین کی طرف انکی یہ بے التفاتی اکثر بندگانِ خدا کی تکمیل دین میں مانع ہے

دو فاسد راستے

اس وقت ہمارے سامنے دو فاسد راستے ہیں، ایک ان لوگوں کا جو دین کی طرف منسوب ہیں لیکن قوتِ حرب جہاد اور مال سے جن کا دینِ خداوندی محتاج ہے دین کی تکمیل نہیں کرتے دوسرا راستہ ان والیان حکومت کا ہے جو مال جنگی قوت اور جہاد سے کام لیتے ہیں لیکن اس سے ان کا مقصد اقامتِ دین نہیں، یہ دونوں ان لوگوں کے راستے ہیں جن پر غضب نازل ہوا یا گمراہ ہیں اور صراط مستقیم نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین اُمت کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالےٰ نے انعام کیا صالحین امت وہ ہیں جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء اور اصحاب اور ان لوگوں کے طریق پر ہیں جو ان کی راہ چلے، حق تعالیٰ اہلِ حق کی شان میں فرماتا ہے جو مہاجرین اور انصار میں سے جن لوگوں نے (اسلام کے قبول کرنے میں سبقت کی اور (نیز) وہ لوگ جو ان کے بعد خلوص دل سے داخل ایمان ہوئے خدا اُن سے خوش اور وہ خدا سے خوش ہیں اور خدا نے ان کے لئے (بہشت کے ایسے) باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے (۹ : ۱۰۰)

پس مسلمان پر واجب ہے کہ اپنی مقدور بھر اس میں جدوجہد کرے۔ پس جو کوئی اس نیّت سے کسی ولایت کا والی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے گا۔ تا حدِّ امکان اس کے دین کو متمکّن کرے گا۔ مسلمانوں کا ہمدرد و بہی خواہ رہے گا۔ واجبات کو ادا کرے گا اور حتی الامکان محرّمات سے اجتناب کرے گا، تو قیامت کے دن اُس سے ان امور کا مواخذہ نہ ہوگا جن کی تکمیل سے وُہ عاجز رہا۔ پس اُمّت کے حق میں نیکیوں کی تولیت و فرمانروائی فاجروں کی حکومت سے بہتر ہے اور جس حاکم نے غلبہ اور جہاد سے اقامتِ دین پر قدرت نہ پائی اور جتنا کہ وہ خلوص دل سے مسلمانوں کی خیر خواہی اور اُمّت کیلئے دعا اور اہل خیر کی محبّت وغیرہ کارہائے خیر انجام دے سکتا تھا۔ ان کی تکمیل میں حتی الوسع مصروف رہا تو وُہ ان کاموں کا مکلّف نہیں جن کی انجام دہی سے وُہ عاجز و قاصر رہا۔

قرآن اور تلوار کو باہم جمع کرنے کی ضرورت

پس دین کا قوام کتاب ہادی اور حدیدِ ناصر (یعنی تلوار) کے بغیر ممکن نہیں جیسا کہ ربّ قدیر نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔ پس ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے قرآن اور تلوار دونوں کو باہم مجتمع کرنے کی جدوجہد کرے اور اس کوشش میں خدا سے مدد مانگے۔ اس کے بعد معلوم ہو کہ دُنیا دین کی خدمت گار اور چاکر ہے۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اے ابن آدم! تو جس

درجہ دنیا سے بہرہ مند ہونے کا محتاج ہے۔ اس سے کہیں زیادہ تجھے آخرت سے بہرہ حاصل کرنے کی احتیاج ہے۔ پس اگر تو اپنے حصّے کو آخرت سے شروع کریگا۔ تو تیرا دنیاوی نصیبہ خود بخود اصلاح پذیر ہوجائیگا اور اگر تو اپنی بہرہ مندی کا آغاز دُنیا سے کریگا (یعنی دنیا کو دین پر مقدّم رکھے گا) تو آخرت میں تیرا کوئی حصّہ نہیں اور دُنیا بھی تیرے لیئے خار زار بنی رہے گی۔

اور اس کی دلیل ترمذی کی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے ایسی حالت میں صبح کی کہ آخرت ہی اس کا نصب العین اور اہم مقصد ہو تو خدائے ذی الجلال اس کے تمام کام درست کردے گا اور اس کے کاموں میں انتشار نہ ہونے دے گا۔ اس کا دل غنی کردے گا اور دُنیا اس کے پاس ذلیل ہوکر آئے گی اور جس نے ایسی حالت میں صبح کی اور اس کا سب سے بڑا مقصد حصول دنیا ہو تو اس کے تمام کاموں میں انتشار و پراگندگی رہے گی اور اللہ تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں پر فقر و احتیاج کو مسلّط کردے گا۔ دنیاوی اشغال کی شدّت انہماک کے باوجود اس کو دنیا اسی قدر حاصل ہوگی جتنی کہ رزاق علی الاطلاق کے قلم تقدیر نے اس کے لیئے لکھ رکھی ہے۔

اور ارشاد نبوی کی اصل کلام الٰہی کی یہ آیت ہے اور ہم نے جنّوں اور انسانوں کو اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ ہماری عبادت کریں (اور حقوقِ عبودیت بجالائیں) ہم اُن سے کچھ روزی کے تو خواہاں ہیں نہیں اور نہ اس کے متمنّی ہیں کہ ہم کو کھلائیں

(بلکہ) اللہ تعالیٰ تو خود بڑا روزی رساں اور قوت والا زبردست ہے (۵۱: ۵۶-۵۸)

فنسأل اللہ العظیم ان یوفقنا وسایر اخواننا وجمیع المسلمین لما یحبہ لنا ویرضاہ من القول والعمل فانہ لا حول ولا قوۃ الا بہ والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد نبیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیرا وھو حسبنا ونعم الوکیل ٥

Delhi Art Press, Lahore.